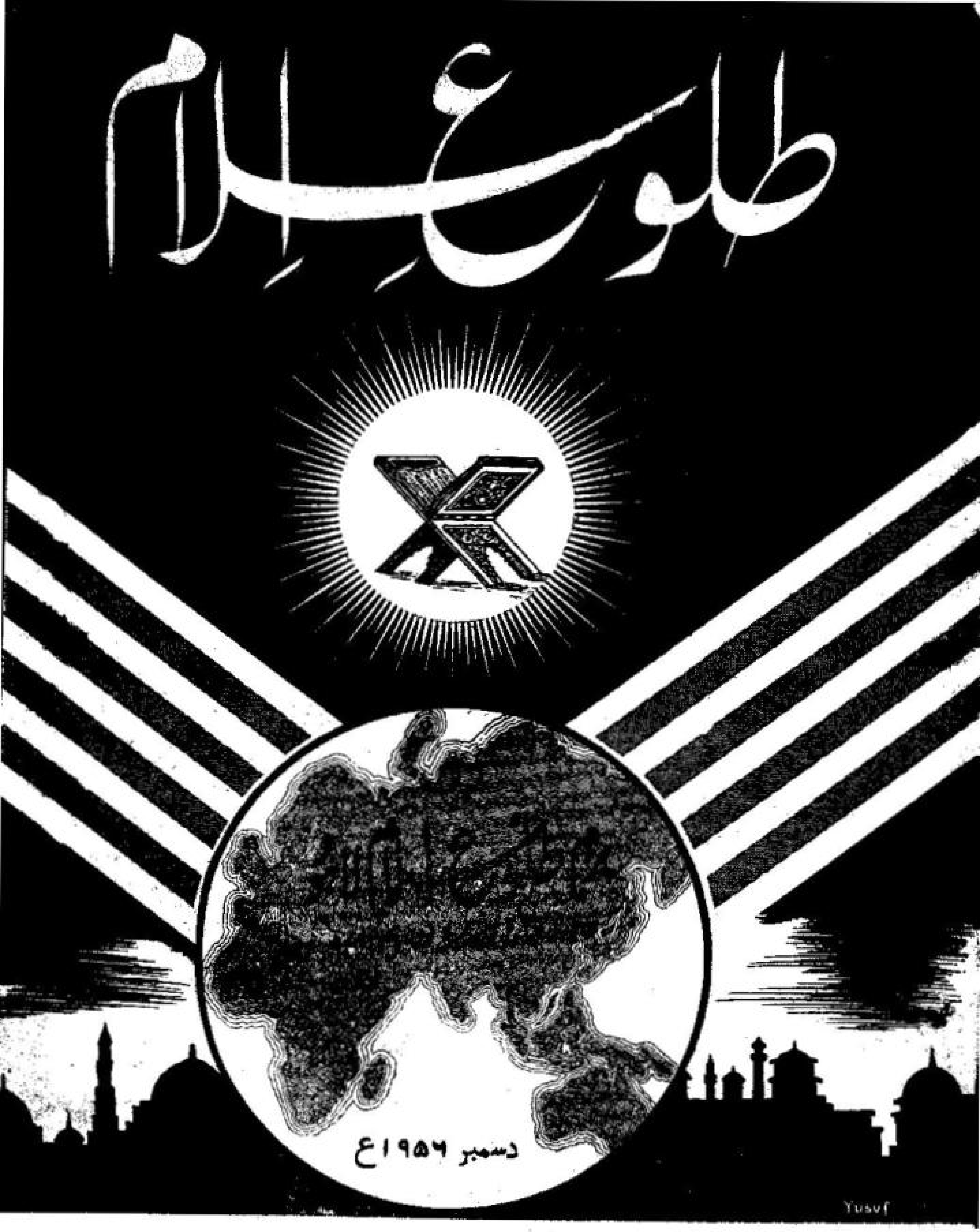


کنونشن نمبر

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

# طلوعِ اسلام

کراچی

بدلِ اشتراک
ہند و پاکستان سے سالانہ آٹھ روپے، غیر ممالک سے ۱۴ شلنگ

ٹیلی فون نمبر ۴۱۴۸۸

قیمت فی پرچہ، ہند و پاکستان سے، بارہ آنے
خط و کتابت کا پتہ ۱۰۔ ۱۵۹/۲۔ ایل۔ پی۔ ای۔ سی۔ ایچ سوسائٹی کراچی نمبر ۲۹

جلد ۹ | دسمبر سنہ ۱۹۵۶ء | نمبر ۱۱

## فہرست مضامین

| | |
|---|---|
| لمعات | ۲ ــ ۳ |
| روئیداد طلوع اسلام کنونشن (محترم صفدر سلیمی صاحب) | ۴ ــ ۱۹ |
| مہمانان | ۲۰ ــ ۲۴ |
| بادۂ زندگی (محترم پرویز صاحب) | ۲۵ ــ ۴۸ |
| خطاب (سکریٹری بزم طلوع اسلام۔ لاہور) | ۴۹ ــ ۵۱ |
| ادارۂ طلوع اسلام (رپورٹ) (محترم عبدالرب صاحب ناظم ادارہ) | ۵۲ ــ ۵۶ |
| مجلسِ اقبال | ۵۷ ــ ۶۵ |
| حقائق و عبر | ۶۹ ــ ۷۳ |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# لمعات

آئندہ کا مورخ جب اس کرۂ ارض کے سالِ رواں کی تاریخ پر نگاہ ڈالے گا تو اُسے اس میں سب سے زیادہ اہم وہ شرمناک و الم انگیز حادثہ نظر آئے گا جو پچھلے دنوں سرزمینِ مصر میں رونما ہوا۔ شرمناک اس لئے کہ تہذیب و تمدن کے وہ نظر فریب نقاب جو دورِ حاضر کے انسان نے اپنی ہوسِ خوں آشامی اور خوئے درندگی کو چھپانے کے لئے اوڑھ رکھے ہیں، ان کی دھجیاں اس بری طرح سے اس سے پہلے شاید ہی کبھی اُڑی ہوں۔ ایسے ہی تھے وہ حوادث جن کے پیشِ نظر علامہ اقبالؒ نے آج سے بہت پہلے لکھا تھا کہ

انساں کہ رخ ز غازۂ تہذیب برفروخت — خاکِ سیاہ خویش چو آئینہ وانمود
پوشیدہ پنجہ را بہ دستانۂ حریر — افسونِ قلم شد و تیغ از کمر کشود
ایں بوالہوس صنم کدۂ صلحِ عام ساخت — رقصید گردِ او بنوائے چنگ و عود
دیدم چو جنگ پردۂ ناموسِ او درید
جز سفک الدماء و خصیمٌ مبین نبود

انگریز اس سے پہلے اس قدر عریاں ہو کر کبھی میدانِ سیاست میں نہیں آیا تھا۔ مصلحت کوشی، نقاب پوشی، نرم روی، آہستہ خرامی اس کی قومی خصوصیات تھیں۔ اب معلوم ہو گیا کہ وہ اپنی ان قومی روایات سے بھی عاری ہو چکا ہے۔ گذشتہ عالمگیر جنگ کے بعد وہ اوّل درجے کی قوموں کی صف سے دھکیل کر باہر نکال دیا گیا تھا۔ اب وہ سیاسی میدان میں بھی بڑے ہی ذلیل اور پست مقام پر پہنچ گیا۔ ان قوموں کا بھرم جتنی جلدی کھل جائے اچھا ہی ہے۔ تاکہ وہ فریب جو انسانیت نے ان کے ہاتھوں کھایا ہے اس کا پردہ چاک ہو جائے اور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ وہ محکم بنیادیں کونسی ہیں جن پر انسانی تہذیب و تمدن کی عمارت استوار ہونی چاہیئے۔ جس دن انسان نے یہ سوچنا شروع کر دیا وہ زندگی کے صحیح راستے کے بہت قریب آ جائے گا۔ اس لئے کہ تہذیب کی عمارت کے لئے فکرِ انسانی کو قرآن کی متعین کردہ بنیادوں کے علاوہ کوئی اور بنیادیں مل ہی نہیں سکتیں۔ یہ تو اس کا تعصب، جہالت اور غلط نگہی ہے جو یہ ان بنیادوں کی تلاش میں یونہی ادھر ادھر بھٹک رہا اور تنکوں کے سہارے طوفان تھامنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جس دن اس نے اپنے تجارب کے غلط نتائج کے بعد خالی الذہن ہو کر سوچنا شروع کر دیا، زندگی کا صحیح راستہ اس کے سامنے آ جائے گا۔

اور یہ حادثہ المناک اس لئے ہے کہ مصر کی مظلومیت پر مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک کے تمام مسلمان بیک لخت تلملا اٹھے لیکن یہ ظالم کا ہاتھ روکنے کے لئے جلسے اور جلوس ریزولیوشن اور دعاؤں سے زیادہ کچھ نہ کر سکے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر مصر کا حادثہ تاجو مسلمانانِ عالم کو اپنی حالت پر غور کرنے پر آمادہ کر دے تو اس کی یہ قیمت کچھ زیادہ نہیں ہوگی۔ ذرا سوچئے کہ اگر مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک کے علاوہ بھی پھیلی ہوئی یہ قوم کہیں امتِ واحدہ بن جائے تو ان کی قوت کیا سے کیا نہ کر دے؟ اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ شرقِ وسطیٰ میں عرب نسل پرستی کی بہر لاٹھ ہی لگ ہے۔ اس سے پیچھے ہٹئے تو انہیں وطنیت کی چار دیواریاں ٹکڑے ٹکڑے کئے ہوئے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی مفاد پرستیاں انہیں ایک دوسرے کا حریف بنائے ہوئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ آپس میں لڑتے اور غیر مسلموں سے اپنے رشتے جوڑتے ہیں۔ کہیں عرب لیگ یہ فیصلہ کرتی ہے کہ ہم اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے وائس پریذیڈنٹ کے انتخاب کے سلسلہ میں بھارت کے امیدوار کی حمایت کریں گے۔ کہیں جمال ناصر صاحب اعلان کرتے ہیں کہ برطانیہ میں ہم اپنے مفاد کی دیکھ بھال ہندوستان کے نمائندے کے سپرد کرتے ہیں۔ ادھر پاکستان سے یہ آواز بلند ہوتی ہے کہ ہمیں پان اسلامزم کے بجائے پاک اسلامزم کو اپنے سامنے رکھنا چاہیئے۔ کوئی روس کی طرف دیکھ رہا ہے کوئی اپنا رخ امریکہ کی طرف کئے ہوئے ہے۔ اور یہ تشتت و انتشار کا عالم اس قوم کا ہے جس کا ایمان ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (۴۹/۱۰)۔ سوچئے کہ اگر ان الفاظ کو ثواب کی خاطر دہرانے کے بجائے اس قوم کا اس پر علی الواقعہ ایمان ہو جائے۔ تو آج کس طرح دنیا کا نقشہ بدل جائے!

لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ ہر چند مسلم ممالک کا باہمی اتحاد (بلکہ اخوت) بہت بڑی چیز ہے لیکن صرف اسی کو کافی سمجھ لینا بھی غلطی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر تمام دنیا کے مسلمان ایک طرف ہو جائیں اور مغرب کی طاقتیں ان کے مقابلہ میں دوسری طرف، تو یہ سب مل کر بھی مغربی طاقتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے (یہی وجہ ہے کہ مسلمان آج باہمی اتحاد کے بجائے مغربی طاقتوں کے سہاروں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں)۔ اقوامِ مغرب کی یہ قوت سائنس کی ترقی کی بدولت ہے جس پر قرآن نے اس قدر زور دیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے ساتھ کرنے کا کام یہ ہے کہ یہ متحدہ کوششوں سے تسخیرِ فطرت کے لئے مسلسل جد و جہد کریں۔ اس کے بعد یہ دیکھیں کہ کس طرح دنیا کی امامت ان کے حصے میں آتی ہے۔ اور جب یہ فطرت کی قوتوں کا استعمال قرآنی نظام کے مطابق کریں تو پھر ساری دنیا دیکھے کہ یہ زمین کس طرح اپنے نشو و نما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھتی ہے۔ فھل من مدکر؟

---

(طلوعِ اسلام کنونشن میں مصروفیات کی وجہ سے سر دست انہی اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر تفصیل سے کسی دوسرے موقعہ پر گفتگو کی جائے گی)

# روئیداد

# طلوع اسلام کنونشن

## لاہور

### منعقدہ

### ۱۵-۱۶-۱۷-۱۸-۱۹ نومبر ۱۹۵۶ء

(مرتبہ محترم صفدر سلیمی صاحب)

---

مغربی پاکستان کے تاریخی شہر اور دار السلطنت لاہور میں طلوع اسلام کنونشن کا انعقاد پاکستان کی تاریخ میں قرآنی فکر و نظر کی اجتماعی تنظیم کا پہلا نشان تھا اور بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے جب اس مؤتمر کی تجویز منظر عام پر آئی تو ملک کے طول و عرض سے ان تمام حلقوں نے اس کا پرجوش اور والہانہ خیر مقدم کیا جو کاروانِ ملت کو قرآنی تصورات کی روشنی میں منزلِ مقصود کی جانب رواں دواں دیکھنے کے آرزومند تھے۔ اس خوش آئند تجویز کے منظر عام پر آتے ہی بزم طلوع اسلام کے دفتر میں خطوں اور تاروں کا تانتا بندھ گیا اور سب نے محسوس کیا کہ ان کی دینی آرزوؤں اور امنگوں کی تشکیل کی ساعتِ سعید قریب آ گئی۔

طلوع اسلام کی مسلسل تین اشاعتوں میں کنونشن کے اغراض و مقاصد، اس کا پروگرام اور ضروری تجاویز ملک کے گوشہ گوشہ تک پہنچا دی گئیں۔ ان وضاحتوں کی روشنی میں ملک کی بزم ہائے طلوع اسلام نے اپنے اپنے مندوبین، مبصرین اور تجاویز کی ترسیل سے بزم طلوع اسلام لاہور سے رابطہ پیدا کر لیا۔ کنونشن کی تاریخوں کا انتظار عید کے چاند کی طرح شدت اختیار کر گیا۔ اور لاہور میں مندوبین اور مبصرین کی روانگی کی اطلاعات موصول ہونے لگیں۔

۱۴ نومبر کی دوپہر کو تیز گام سے محترم پرویز صاحب کی قیادت میں ادارہ طلوع اسلام کے پہلے قافلے کی آمد آمد تھی۔ بزم طلوع اسلام لاہور کی مجلس عاملہ اور مختلف مکاتیب فکر کے ممتاز زعماء نے لاہور ریلوے سٹیشن پر ان کا شایانِ شان خیر مقدم کیا اور دار القرآن شالامار

ٹاؤن میں (جہاں کنونشن منعقد ہو رہی تھی) ان کے پہنچتے ہی کنونشن کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔ نماز عشاء کے بعد ایم۔ ڈی مرزا صاحب کی صدارت میں ضروری فیصلوں کے لئے ایک اہم مشاورتی اجلاس ہوا جس میں بزم طلوع اسلام لاہور کی مجلس عاملہ کے علاوہ جناب پرویز اور ادارہ طلوع اسلام کے ارکان نے شرکت کی اور تین گھنٹوں کی اس نشست میں کنونشن کا پروگرام اور دیگر متعلقہ امور حسن و خوبی سے طے کر لئے گئے

اس دوران میں دارالقرآن کے وسیع سبزہ زار میں کنونشن کے پنڈال اور مہمان کیمپ کے انتظامات جاری تھے۔ بزم کے رضاکاروں نے ساری رات اس سلسلہ میں اپنا کام جاری رکھا اور ۱۸/ نومبر کی صبح کو جب فجر کی اذانیں گونج رہی تھیں، رضاکاروں کی سر توڑ جدوجہد اس سبزہ زار میں ایک خوبصورت پنڈال، مہمان کیمپ اور قیام و طعام کے متعلقہ انتظامات کی تکمیل کر چکی تھی۔

۱۸/ نومبر کی صبح کو طلوع آفتاب کے ساتھ ہی کنونشن کے مندوبین اور مبصرین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور رات کے نو بجے تک جبکہ کنونشن کا پہلا اجلاس شروع ہو رہا تھا۔ کراچی سے پشاور اور ادھر کشمیر تک کے مندوبین اور مبصرین کی آمد برابر جاری تھی۔ شمع قرآنی کے ان پروانوں میں بڑے بڑے انجینئر بھی تھے اور پروفیسر بھی۔ ڈاکٹر بھی تھے اور ایڈوکیٹ بھی۔ رہ و رسم خانقہی کی بندشوں سے دل برداشتہ سابق گدی نشین اور پیر بھی تھے اور ملائزم کے منبروں کے اعزاز سے روگرداں "مولانا" بھی۔ یہی نہیں! بلکہ ان میں شہروں کے مخلص مزدور بھی تھے اور دیہات کے پاکیزہ فطرت اور ایثار پیشہ زمیندار اور کسان بھی۔ ان میں کوٹ پتلون والے دردمند "صاحب بہادر" بھی تھے اور صاحب عزم تہمد پوش بھی۔ ان سب کے دلوں میں قرآنی فکر کی شمعیں جگمگا رہی تھیں۔ اور ان کی روحیں اخوت اور ربوبیت عامہ کی والہانہ تڑپ اور خلش سے مالامال تھیں۔ باہمی ربط و ضبط کی مخلصانہ کشش انہیں ایک لازوال رشتے میں ہم آہنگ کئے جا رہی تھی۔ اور اپنی اجتماعی زندگی کے اس پہلے ہی روز وہ دل کی گہرائیوں سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ دارالقرآن کی اثر انگیز فضا میں وہ گویا مدتوں سے ایک ہی بستی کے باشندے اور ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔ ان کا رشتہ گویا چولی اور دامن کا رشتہ ہے اور یہ رفاقت زندگی اور موت تک کی رفاقت ہے۔ رات کے اس اولین اجتماع میں ان کی مجلس پر ستاروں کی انجمن کا گمان ہو رہا ہے اور سرزمین پاکستان پر یہ انوکھی انجمن قرآنی نظام کی طلوع سحر کے جشن میں سرشار ہوئی جا رہی تھی۔

## پہلی نشست

ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب کی صدارت میں کنونشن کا یہ پہلا اجلاس باہمی تعارف کے سلسلہ میں تھا۔ اور کتنا دلنواز تھا وہ منظر جب باری باری تمام مندوبین اور مبصرین اپنے ذاتی تعارف کے ساتھ "طلوع اسلام" کی اپنی اپنی کشت نوبہار کی روئیداد بیان کر رہے تھے۔ وہ کشت نوبہار جسے انھوں نے سنگلاخ زمینوں میں اپنے خون جگر سے سینچا تھا۔ اس سلسلہ میں محترم یعقوب توفیق نے اپنی محنت کوششوں اور جناب حکیم حسنی نے اپنی علمی کاوشوں اور ذہنی انقلاب کے تذکروں سے دلوں کو عزم و استقلال کے نئے اور تند و تیز ولولوں سے گرما دیا۔ تحریک پاکستان کے مایہ ناز مجاہد اور بزم طلوع اسلام کے "مرد قلندر" خان بخت جمال خاں کے تعارف کا وقت آیا تو کراچی، سیالکوٹ اور صوابی کے نمائندگان میں محبانہ نزاع پیدا ہو گئی کہ ان میں سے ہر ایک صاحب موصوف پر اپنا حق فائق بتلاتے تھے۔ اس پر تپاک

جھگڑے کو چکانے کے لئے محترم پرویز صاحب بہ نفسِ نفیس مائک پر آئے اور جب وہ انتہائی اثر انگیز پیرائے میں ملت کی اس متاعِ عزیز کو خراجِ تحسین پیش کر رہے تھے تو ان کی آواز میں خلوص کی لرزش ابھرنے لگی اور سرحد کی اس نورانی صورت کو ڈائس پر استادہ دیکھ کر سب کے جذبۂ ایمان میں تر و تازگی پیدا ہو گئی۔ یہ احساس بجائے خود ایک انقلاب انگیز نتیجے کی دلیل تھا کہ طلوعِ اسلام کی ہنگ و تاز میں ایک ایسا سرفروش دیوانہ وار اور کفن بردوش شامل ہے جس کی پُر جہاد زندگی سے جنگِ آزادی اور حصولِ پاکستان کے لئے قربانی اور ایثار کی سینکڑوں داستانیں وابستہ ہیں۔ رات کے گیارہ بجے یہ اجلاس اجتماعی امیدوں اور آرزوؤں کے ابھرتے ہوئے ولولوں میں اختتام پذیر ہو گیا۔

## دوسری نشست

چوہدری عبدالرحمٰن صاحب کی صدارت میں ۱۶ نومبر کی صبح کو کنونشن کی دوسری نشست ٹھیک آٹھ بجے صبح شروع ہوئی۔ تلاوتِ کلامِ پاک کے بعد سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی لَے ایوان کی پُرسکون فضا میں گونجی۔

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی

مرزا خلیل احمد علامہ اقبالؒ کے اس ترانے سے ملت کی موجودہ دیوانوں کا داستانِ اسلام کی بھولی بسری اور لٹی ہوئی بہار دل سے جوڑ رہے تھے ایوان میں تاثر کا ایک سماں بندھ گیا اور ساقیؐ کے حضور میں اقبالؒ کی یہ فریاد حاضرین کے دلوں کی پکار بن کر گونجی۔ اور پھر جب آخر میں انہوں نے کہا

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

تو دلوں کے سوز و گداز کی کیفیت نہ پوچھئے۔

اس کیف انگیز ماحول میں محترم یعقوب توفیق نے بزمِ طلوعِ اسلام لاہور کے رُوحِ رواں اور صدرِ اجلاس کے برادرِ عزیز چوہدری عبدالمجید کی وفاتِ حسرت آیات کے سلسلے میں قراردادِ تعزیت پیش کی اور پھر جب انہوں نے مرحوم کے خلوص و ایثار، جوشِ ایمان اور جذبۂ جنون کی تفصیل پیش کی تو ایوان اس دردناک احساس کی گہرائیوں میں ڈوب گیا کہ آسمانِ بزم کے اس درخشندہ ستارے کی تابناکیوں کا نعم البدل آسانی سے نصیب نہ ہو گا۔ قرارداد میں رنج و ملال کے اخلاص بھرے جذبات کے ساتھ مرحوم کی خدماتِ جلیلہ پر خراجِ تحسین پیش کیا گیا اور ان کے اعزاد احباب اور بالخصوص صدرِ اجلاس چوہدری عبدالرحمٰن کے ساتھ دلی ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کیا گیا۔

## خطبہ استقبالیہ

اس قراردادِ تعزیت کے بعد بزمِ طلوعِ اسلام لاہور کے سکریٹری محترم عبداللطیف نظامی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا (یہ خطبہ طلوعِ اسلام کی زیرِ نظر اشاعت میں شامل ہے) اس خطبے کے ذریعہ انہوں نے موتمر کے مندوبین اور مبصرین کی خدمت میں خیر مقدم اور تشکر کی نذر پیش کی

اور فکر قرآنی کی توسیع و ترقی کے تقاضوں کی اہمیت ایوان پر واضح کی۔ انھوں نے نشر و اشاعت کی رفتار میں تندی و تیزی پیدا کرنے پر زور دیا اور محترم پرویز صاحب کی مساعی جلیلہ اور احسانات عظیمہ کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے یہ حقیقت واضح کی کہ تعلیم و تربیت اور نشر و اشاعت کے ایک مضبوط مرکز اور پریس کا قیام سب کے مجموعی فرائض کا اہم ترین تقاضا ہے۔ کنونشن کو ٹھوس اور نتیجہ خیز فیصلوں تک پہنچانے کے لئے نظامی صاحب نے جناب پرویز سے قرآنی رہنمائی کی التجا کی۔

# رپورٹ ادارۂ طلوع اسلام

(یہ رپورٹ اسی اشاعت میں شامل ہے) خطبہ استقبالیہ کے بعد ناظم ادارۂ طلوع اسلام محترم عبدالرب صاحب نے ادارے کی اٹھارہ سالہ جدوجہد کا اجمالی خاکہ پیش کیا۔ یہ خاکہ طلوع اسلام کے ارتقائی سفر کی مختصر داستان بھی تھا۔ اور قرآن کی فکری و نظری اشاعت و تبلیغ کی مجمل تاریخ بھی۔ انھوں نے آغاز سفر کے تیس سال قبل کے وہ ایام یاد دلائے جب شملہ کے صندل ہال اور سکریٹریٹ کی مسجد میں پرویز صاحب نے تند و تیز ہواؤں میں قرآنی فکر کی قندیل پہلے پہل روشن کی اور پھر بالترتیب بتایا کہ کس طرح یہ مرد درویش نامساعد حالات کی ظلمتوں میں عزم و ہمت کے ساتھ اس شمع نور کو لیے ہوئے صراط مستقیم پر بڑھتا چلا گیا۔ تحریک پاکستان کی شمشیر و سیر بن کر اس نے کس قلندرانہ جرأت سے متحدہ قومیت کے سومنات کو پاش پاش کیا۔ کانگریس کے زرخرید ملاؤں کے جبہ و دستار کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں اور تحریک پاکستان کی شاہراہ پر شمع قرآنی ہاتھ میں لے کر محترم قائد اعظمؒ کے ساتھ دوش بدوش آگے بڑھتا گیا۔

انھوں نے رپورٹ میں وضاحت کی کہ اسلامی تصورات کی مردانہ وار حفاظت کے ساتھ طلوع اسلام پے در پے مالی خساروں کا شکار رہا اور پرویز صاحب کی جان ناتواں انتہائی عزم اور فراخدلی کے ساتھ ان خساروں کا بار گراں برداشت کرتی چلی گئی۔ طلوع اسلام نے ۱۹۳۸ء میں صحافت کے خارزار میں اپنا پہلا قدم رکھا۔ اور آج کے دن تک وہ کہیں سے مالی امداد حاصل یا قبول کئے بغیر ملت کی کانٹوں بھری راہ صاف کرتا، قرآنی فکر کی ضو فشانیوں سے ذہنی تاریکیوں کو جگمگاتے رواں دواں منزل مقصود کی جانب بڑھا جا رہا ہے۔ اس نے "مذہب" کی بجائے مسلمانوں کو از سر نو "دین" کی طرف بلایا۔ اس نے خدا کے کلیسائی تصور کی بیخ کنی کی۔ اس نے "آدمی" کو "انسان" بننے کی دعوت دی۔ قانون مکافات کے اثرات و نتائج کا تسلسل نمایاں کیا۔ زندگی کی ابدی و ازلی حقیقتوں کی نقاب کشائی کی۔ مقام محمدیؐ کا قرآنی تصور واضح کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے قرآنی اصطلاحات کے مفہوم بھی متعین کئے۔

ناظم ادارہ نے اپنی رپورٹ میں پرویز صاحب کی عظیم الشان تصانیف "لغات القرآن" اور "مفہوم القرآن" کی طباعت و اشاعت کی ضرورت پر ایوان کو متوجہ کیا اور بتایا کہ ان کتابوں کی اشاعت ذہنی انقلاب کا سامان پیدا کرے گی۔ انھوں نے ایوان کو اس حقیقت کا احساس دلایا کہ مرکزی ادارہ کو پختہ بنیادوں پر استوار کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ تاکہ یہ کارواں تیزی سے اپنی منزلیں طے کرتا چلا جائے۔

---x---

# پرویز صاحب کا انقلاب آفریں خطاب

اس رپورٹ کے بعد محترم پرویز صاحب مائک پر تشریف لائے۔ پروگرام کے مطابق انھوں نے "بادۂ زندگی" کے عنوان سے اپنا اہم خطاب اس اجلاس میں پیش کرنا تھا۔ چنانچہ اسٹیج پر نگہ انتظار کے لئے صبح امید کی جگمگاتی ہوئی کرن بن کر نمودار ہوئے اپنے مخصوص حسن بیان سے بادۂ زندگی کے ساغر لنڈھاتے تشکیل نظام قرآنی کے عملی کوائف اور ممکناتِ زندگی کے چہرے سے ایک ایک نقاب سرکاتے چلے گئے ان کے عزائم کا پیچ وتاب، سوز وگداز کی گہرائیوں میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ اور ان کے زورِ خطابت کی حقیقت کشائیاں اُن اندھیری راہوں میں فکرِ قرآنی کا نور بکھیرتی جا رہی تھیں، جو صدیوں سے کاروانِ ملت کے ذوقِ سفر کے لئے سراپا انتظار بنی جا رہی ہیں۔

دینِ حق کے مفکرِ جلیل پرویز کی خوش نصیبیاں نہ پوچھئے۔ اُس نے ذہنوں کی سنگلاخ زمینوں میں مسلسل تیس برس تک قرآنی تصورات کے بیج بوئے۔ شبِ درد انھیں خونِ جگر سے سینچا۔ تیس برس کے بعد اب بتدریج کونپلیں پھوٹ رہی تھیں۔ نہیں بلکہ فکر ونظر کی یہ نرم ونازک کونپلیں اب لہلہاتی ہوئی کشتِ نوبہار میں تبدیل ہو رہی تھی۔ کنونشن کے ایوان کا ایک ایک ذرہ انھیں صبحِ بہار کی نمود کی نوید جانفزا سنا رہا تھا۔ چنانچہ مائک کے سامنے آتے ہی اُن کی آواز اس سرور انگیز تصور سے تھرتھرانے لگی۔ ان کی ان کی آرزوؤں کا سوز وساز اشک بن بن کر آنکھوں سے بہنے لگا۔ انھوں نے چند ہی لمحوں میں حاضرین پر ایک سحر طاری کر دیا۔ اور جب تک ان کا خطاب جاری رہا، سب کی آنکھیں بار بار آنسوؤں سے تر بتر ہوئیں۔

پرویز صاحب نے طلوعِ اسلام کے مخالفین کی وجہ مخالفت کو شرح ولبط سے بیان کیا اور وہ بالترتیب ان چہروں سے آہستہ آہستہ نقاب سرکاتے چلے گئے جو اپنے مصنوعی تقدس کی مسندوں کی حفاظت اور زمین کے خزانوں پر اجارہ داری قائم رکھنے کے لئے پُرفریب انداز میں قرآنی فکر کی اس برقی مشعل کو پھونکیں مارنے پر اتر آئے۔ اور یہ اس لئے کہ قرآن نہ کسی کے پاس قارون کے خزانے باقی چھوڑتا ہے نہ پیشوائی کے بتوں کا نام ونشان اور نہ حکمرانی کی مسندیں۔ وہ خدا کے قانون کی خالص اطاعت کے سوا ہر دوسرے مرکزِ اطاعت کا وجود تک ملیامیٹ کر دیتا ہے۔

انھوں نے طلوعِ اسلام کے خلاف تمام مذموم سازشوں اور مکروہ بہتان طرازیوں کے پردے چاک کر دیئے اور فرمایا کہ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس شخص کی "معراجِ انسانیت" (کتاب) نے دین سے برگشتہ نوجوانوں کو شمعِ رسالت کے پروانے بنا دیا اُسے نعوذ باللہ "منکرِ حدیث" اور "منکرِ شانِ رسالت" کے خطابات سے یاد کیا جائے۔

پرویز صاحب نے طلوعِ اسلام کے مسلک کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا اور واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ وہ دین میں فرقہ سازی کو شرک قرار دیتے ہیں اور کسی قسم کا کوئی فرقہ قطعاً پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ انھوں نے مندوبین کو اس عظیم حقیقت کا احساس دلایا کہ قرآن کی منزلِ مقصود کٹھن راہوں سے گذرتی ہے۔ اور اگر انھوں نے اس ابتلاء وآزمائش میں عزم وثبات قائم نہ رکھا تو یہ ناکامی ان کی اپنی ناکامی نہیں ہوگی بلکہ قرآنی نظام کی ناکامی سمجھی جائے گی اور وہ قرآن کی بدنامی کے مجرم ثابت ہوں گے انھوں

نے مزید کہا کہ کمیونزم کے سیلابِ فتنہ سے پاکستان کو صرف نظام ربوبیت کا بند ہی بچا سکے گا۔ اس لئے جد و جہد کا اقدام جلدی اور تیزی سے ہونا چاہیئے۔

پرویز صاحب نے اپنی اسی پیہم کے خوشگوار نتائج اور درخشندگی پر اظہار مسرت کیا اور حاضرین کی رفاقت کو اپنی امیدوں کا مرکز، تمناؤں کا محور، ہمتوں کا سہارا، زندگی کی خوشی اور موت کا اطمینان قرار دیا اور وفورِ مسرت سے اعلان کیا کہ وہ اپنی قرآنی فکر کی متاعِ عزیز سے بڑھ کر نہ اور کوئی تحفہ پیش نہیں کر سکتے۔ پرویز صاحب کے خطاب کے اختتام پر پورے پنڈال میں تاثر کا ایک عجیب سماں بندھ رہا تھا۔ (پرویز صاحب کا یہ اہم خطبہ اسی اشاعت میں شامل کیا جا رہا ہے)

اس خطاب کے بعد کنونشن کے لائحہ عمل کی تشکیل کے لئے حسب ذیل پانچ مجالسِ مضامین (سبجیکٹ کمیٹیوں) کا انتخاب ہوا۔

۱۔ کمیٹی برائے اجتماعی تنظیم و قیام مرکز
۲۔ کمیٹی برائے مرکزی فنڈ
۳۔ کمیٹی برائے نشر و اشاعت و پریس
۴۔ کمیٹی برائے ترقی و توسیع فکرِ قرآنی
۵۔ کمیٹی برائے قیام تربیتی مرکز (دارالعلوم)

اس انتخاب کے بعد یہ نشست ختم ہو گئی۔

---

محترم پرویز صاحب نے جمعہ کا خطبہ مسجد دارالقرآن (نسبت روڈ) میں ارشاد فرمایا۔ مسجد کے ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی اور سامعین سیڑھیوں میں اور سڑک پر بھی جمع تھے۔ انھوں نے اپنے مخصوص دلکش اور بلیغ انداز میں اس حقیقت کو بے نقاب کیا کہ قرآن کی رُو سے دین کی تکذیب کون کرتا ہے اور صلوٰۃ کی حقیقت کیا ہے۔ اہل لاہور کے لئے یہ خطبہ ایسا بصیرت افزا اور حقیقت افروز تھا جس کی یاد مدت تک باقی رہے گی۔

---

## سبجیکٹ کمیٹیز (مجالس مضامین) کے اجلاس

نماز عصر کے بعد تمام کمیٹیوں کے جدا جدا اجلاس ہوئے۔ اور انھوں نے اپنے اپنے اجلاس میں متعلقہ مقاصد کی تکمیل کے لئے آمدہ تجاویز کی روشنی میں اپنا اپنا لائحہ عمل مرتب کیا۔ اور پھر رات کے مشترکہ اجلاس میں ایک جامع اور مفصل لائحہ عمل کی ترتیب تکمیل کو پہنچ گئی۔

# تفصیل اراکین سب کمیٹیز

### ۱۔ کمیٹی برائے اجتماعی تنظیم و قیام مرکز

ڈاکٹر حبیب الرحمن خاں (کراچی) کنوینر
ایم۔ ڈی مرزا صاحب (لاہور)
مرزا علی احمد خاں (پشاور)
ڈاکٹر عبدالحکیم (مردان)
سید تجمل حسین شاہ (جھنگ مگھیانہ)
چوہدری افتخار احمد (لاہور)
چوہدری عبدالکریم قریشی (ایبٹ آباد)

### ۲۔ کمیٹی برائے قیام مرکزی فنڈ

چوہدری بشیر احمد سوی (راولپنڈی) کنوینر
ڈاکٹر خورشید علی خاں (کراچی)
پروفیسر محمد نذیر چوہدری (ڈیرہ اسماعیل خاں)
محمد شفیع (واہ)
عدالت حسین (ایبٹ آباد)

### ۳۔ کمیٹی برائے تنظیم نشر و اشاعت

مرزا خلیل احمد (لاہور) کنوینر
ملک عبدالوحید (کراچی)
محمد رفیق قریشی (چیچی شیخاں)
قدیر خاں (قصور)
محمد نذیر (اوکاڑہ)
مرزا نصیر الدین (پشاور)

### ۴۔ کمیٹی برائے ترقی و توسیع فکر قرآنی

حکیم حسنی صاحب (سندھ) کنوینر
مولوی عبدالرب (کراچی)
لطیف نظامی (لاہور)
چوہدری عطاء اللہ
یعقوب توفیق (کوئٹہ)
پروفیسر محمد دین (سیالکوٹ)
حافظ ریاض احمد (لاہور)

### ۵۔ کمیٹی برائے قیام تربیتی مرکز و دارالعلوم

قاضی محمد اکبر (کراچی) کنوینر
ڈاکٹر رضا محمد خاں (مردان)
خان بخت جمال خاں (کراچی)
عبدالرؤف (لاہور)
محبوب علی شاہ (سکھر)
محمد اسحٰق (دہراں)
عزیز احمد (راولپنڈی)

---

## تیسرا اجلاس

۱۷ نومبر۔ تاروں کی چھاؤں میں۔

وہ اذاں جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود

پنڈال کی پرسکوت فضا میں وجد ارتعاش ہوئی۔ کیمپ کی آبادی نیند سے بیدار ہوئی اور کیف وسرور کے وجدانی عالم میں صبح کی نماز سے فارغ ہوئی۔ آٹھ بجے چوہدری عبدالرحمٰن صاحب کی صدارت میں تیسرا اجلاس شروع ہوا۔ تلاوتِ قرآن اور کلام اقبال کے بعد سب جیکٹ کمیٹیوں کی مرتبہ قراردادیں پیش ہوئیں۔ ان میں سے بعض قراردادیں اتفاق رائے سے فوراً پاس ہو گئیں۔ اور بعض قراردادوں پر مندوبین نے سرگرمی سے بحث میں حصہ لیا۔ قراردادوں پر بحث کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ گیارہ بجے اس سلسلہ کو رات کے اجلاس پر ملتوی کر کے پرویز صاحب کی تقریر کا اعلان کر دیا گیا۔

## پرویز صاحب کی تقریر

پرویز صاحب نے تقریر کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

گذشتہ تین دن سے ہمارے اجلاس ایک ضابطہ کی پابندیوں کے ساتھ ہو رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب ہم کچھ دیر کے لئے ضابطے کی پابندیوں سے آزاد ہو کر گھر کی طرح اپنے دکھ درد کی باتیں کریں وقت تھوڑا ہے اور ابھی بہت سے کرنے کے کام ہیں ؎

بلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا

ایک ضروری بات مجھے اس مجلس میں عرض کرنی ہے اور وہ یہ کہ میں کل سے بعض مندوبین کے اس قسم کے اعلانات سُن رہا ہوں کہ "میں پچھلے سال سے مسلمان ہوا ہوں" "میں تین سال قبل مسلمان ہوا" وغیرہ وغیرہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ احباب جو کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ وہ کچھ اور ہے لیکن اسکے لئے یہ الفاظ قطعاً ناموزوں بلکہ گمراہ کن ہیں۔ ہم پہلے بھی مسلمان تھے اور اب بھی مسلمان ہیں۔ ویسے ہی مسلمان جیسے ملت کے دیگر افراد مسلمان ہیں۔ ان میں اور ہم میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ ہم یہ سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ خدا نے جو دین ہمارے لئے تجویز کیا تھا اسکے حقیقی خط وخال کیا تھے اور اب وہ اس خطۂ زمین میں کس طرح عملاً رائج ہو سکتا ہے۔ اس سے ہم باقی مسلمانوں سے کسی صورت میں بھی نہ مختلف ہو سکتے ہیں۔ نہ کسی حیثیت سے افضل۔ باقی رہا اس دعوے کا معنوی پہلو کہ "ہم اتنے برس سے مسلمان ہوئے ہیں" تو یہ بھی صحیح نہیں۔ اسلئے کہ مسلمان ہونا کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
اور ــــ لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

حضرت علامہ نے دوسری جگہ اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لاالٰہ را

تو پھر بتایئے کہ ہم میں کون ہے جو یہ دعوے کر سکے کہ معنوی نقطۂ نظر سے ہم واقعی مسلمان ہیں جو یہاں موجود ہیں مسلمان بن جائیں تو نظامِ عالم میں ایک انقلابِ عظیم آجائے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اسکے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

سوچئے کہ ایسی صورت میں ہمارے یہ مسائل و مشکلات باقی رہ سکتے ہیں؟ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ اگر تم مسلمان ہو تو اقطار السموٰت والارض سے بھی آگے بڑھتے چلے جاؤ گے۔ اگر ہم واقعی تین سال سے صحیح معنوں میں مسلمان بن چکے ہوتے تو آج تقدیر عالم بدل چکی ہوتی۔ ہمیں ایسا دعویٰ معنوی طور پر نہیں کرنا چاہیے۔ جس کی تائید ہماری سیرت و کردار کی رو سے ثابت نہ ہو۔

میں نے ایسی باتیں بھی سنی ہیں کہ بعض اراکین بزم یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اب جو اسلام کو سمجھا ہے۔ اسکی بنا پر نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا "طلوع اسلام" نے آپ کو یہی تعلیم دی ہے کہ نماز نہ پڑھنے پر فخر کرو؟ آپ نے غیر قرآنی روش زندگی کو تو نہ چھوڑا۔ اور اسکے بجائے اس قسم کی باتیں کرنے لگ گئے۔ اور ستم بالائے ستم کہ اپنے آپ کو طلوع اسلام کی تحریک سے وابستہ ظاہر کرکے ایسی باتیں کرنے لگے۔ طلوع اسلام پر آخر یہ کتنا بڑا الزام ہے جو آپ نے عاید کر دیا۔

ذاتی طور پر مجھ میں بھی کمزوریاں ہیں اور میں ہمیشہ اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ لیکن یہ انتہائی ظلم ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں کے لئے جواز کی صورتیں تلاش کرنے لگ جائیں۔ آپ قرآنی نظریات کے خلاف سب کچھ کر رہے ہیں، تجارت، کاروبار، شادی، رشتے ناطے سب کچھ ہو رہا ہے۔ بینک بیلنس برابر قائم ہیں۔ قرآن کے مطابق انھیں بدلنے کے لئے آپکے ذہن میں کبھی کچھ نہیں آیا۔ پھر نماز کے بارے میں ایسا کیوں ہوا؟ (بعض گوشوں سے آوازیں آئیں کہ یہ بھی ہمارے مخالفین کا پروپیگنڈہ ہے جو طلوع اسلام کی تحریک سے وابستگی ظاہر کرکے اس قسم کی باتیں مشہور کرتے رہتے ہیں۔ محترم پرویز صاحب نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا) ہم معاشرے میں اصلاح کا آغاز اپنے گھروں سے ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر پہلے خود ہی نماز روزہ چھوڑ دیں تو پھر اصلاح کس طرح ہوگی؟ خدارا اپنے قول و عمل کو بصیرت علم اور خلوص پر مبنی رکھئے۔ "مقدس بہانے" تلاش نہ کیجئے بلکہ اعتراف کیجئے اپنی کمزوریوں کا۔ ہم نے قرآنی معاشرہ قائم کرنا ہے جو صرف نیک اور پاکباز زندگی بسر کرنے سے قائم ہو سکے گا۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے دین کا تصور یوں سمجھا ہے اور جب یہ متشکل ہو جائے گا تو یوں کچھ ہوگا۔ لیکن اسکے لئے آپ بہت سی باتیں اب بھی شروع کر سکتے ہیں۔ مثلاً وعدے کا ایفا، سچ بولنا اور دغا نہ کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسکے لئے آپ نظام قرآنی کے عملاً قیام تک کا انتظار کیوں کر رہے ہیں؟

آپ کی یہ باتیں میرے سامنے آئیں اور میں نے اصل حقیقت کی وضاحت ضروری سمجھی۔

مجھے آپ کی قراردادوں کے متعلق کچھ نہیں کہنا۔ لیکن میں آپ سے یہ کہوں گا کہ میں نے اپنے خونِ جگر سے ایک چھوٹا سا دیا جلایا ہے اور میری آرزو ہے کہ یہ دیا اسی طرح جلتا ہوا آگے چلے لیکن یہ محض روپے کے تیل سے ہی نہیں جلے گا۔ کیونکہ جس خونِ جگر سے اسے جلایا گیا وہ سونے کے تیل سے زیادہ قیمتی ہے۔ اسے جلائے رکھنے کے لئے اندرونی حرارت اور چنگاریوں کی ضرورت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ کسی فکر کو عام کرنے کے لئے روپے کی ضرورت بھی ناگزیر ہے۔ لیکن روپیہ ہی سب کچھ نہیں۔ حضرت علامہ کے الفاظ میں۔

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوالِ بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

اس مقدس کام کے لئے غلط ذرائع اور وسائل کا خیال تک دلوں میں نہ لایئے۔ کیونکہ حق کی راہ میں باطل طریق پر اٹھایا ہوا ایک قدم سب کچھ غارت کر دیتا ہے۔

غلط ذرائع کے ساتھ یہ نور السموٰت والارض کا دیا نہیں بنے گا۔

ہماری تحریک کا ہر رکن ایسا مبلغ ثابت ہو کہ لوگ دیکھتے ہی پکار اٹھیں کہ وہ دیکھئے قرآنی فکر کا جیتا جاگتا پیکر آ رہا ہے۔ رسول خدا صلعم سے جب حضورؐ کی صداقت کی دلیل طلب کی گئی تو کفار کے چیلنج کے جواب میں کہا ہی گیا کہ

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

میں نے اس سے قبل اپنی ساری عمر تمہارے اندر بسر کی ہے کیا تم اس سے نہیں
اندازہ لگا سکتے کہ میں سچا ہوں یا جھوٹا؟ میرے دعوے کی صداقت کی دلیل
خود میری زندگی ہے۔

اس حقیقت کو یاد رکھیئے کہ قرآنی راہ پر چلنے کے دعویدار کی زندگی دشمنوں کے ہجوم میں ایک بلند بانگ دعوے ہے۔ خارجی وسائل سے یہ کٹھن راہ طے نہ ہوگی۔ ہماری تحریک کے بیج دلوں کی گہرائیوں سے ابھریں گے اور ان کے برگ و بار سب کو بتا دیں گے کہ نظام ربوبیت کیا ہے! محض لٹریچر کی اشاعت بھی کچھ نہ کر سکیگی۔ آدم سے کہا گیا تھا وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ۔ زمین ہمارا ٹھکانہ ہے۔ ہم اسکے سہارے ضرور لیں گے۔ لیکن ان سہاروں کی نوعیت کشتی کے لئے پانی کے سہارے کی سی ہونی چاہیئے۔ وہی پانی جب سیلاب بنکر کشتی پر مسلط ہو جاتا ہے تو آپ جانتے ہیں کہ کشتی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اسلئے مالی سہاروں کو سیلاب کی طرح اپنی جدوجہد کے سفینے پر مسلط نہ ہونے دیجئے۔ ایمانی قوت کو ان سہاروں پر غالب رکھیئے۔ قرآنی انقلاب کو محسوس شکل میں دنیا کے سامنے لانے کے لئے عزم و ہمت، خلوص و ایثار اور سچے دلولوں سے کام لیجئے اور یقین رکھیئے۔"

پرویز صاحب کی اس تقریر کے بعد اجلاس نماز ظہر کے لئے ملتوی ہوگیا۔

## ایک خصوصی مجلس

محترم پرویز صاحب کی خواہش کے مطابق نماز ظہر کے بعد ضابطے کی پابندیوں سے آزاد ایک مجلس خصوصی کا انعقاد کونشن کے پنڈال میں ہوا۔ اس مجلس میں حاضرین نے پرویز صاحب سے قرآن فہمی کے نقطہ نظر سے اہم سوال کئے۔ عائلی مسائل سے لیکر فلسفۂ معاشیات اور مقصد حیات کی تہہ تک کی گہرائیوں کو سمجھنے کی کوشش کی گئی۔ پرویز صاحب فی البدیہہ ہر اہم سے اہم سوال کا جواب بالتفصیل قرآن کی روشنی میں دے رہے تھے۔ دلوں کی لاتعداد بھانسیں نکل رہی تھیں، شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہو رہا

تھا۔ زندگی کے عظیم الشان حقائق کے چہرے سے نقاب الٹ رہے تھے۔ علم و حکمت کا ایک دریا تھا جو تشنگانِ حقیقت کو سیراب کر رہا تھا۔ حاضرین نے جی بھر بھر کر سوال کئے اور پرویز صاحب نے کھول کھول کر اُن سب کے جواب دیئے۔ اِن جوابات سے فہم و ادراک کی لاتعداد گرہیں کھلیں۔ اُن کے ذہن تاریک گوشے نئی روشنی سے جگمگا اٹھے اور سب نے علیٰ وجہ البصیرت "قرآن کے طالب علم" کے مقام بلند کا اندازہ کیا۔

نماز عصر کے لئے یہ یادگار مجلس برخاست ہو گئی۔

# چوتھا اجلاس

نماز عشاء کے بعد ۸ بجے "تلاوت کلام پاک" سے چوتھی نشست کا آغاز ہوا۔ خلیل صاحب نے کلام اقبالؒ سے تڑپ اور خلش کو ابھارا۔ اور بعد ازاں قرار دادوں پر بحث کا سلسلہ انتہائی سنجیدگی کے عالم میں از سر نو شروع ہو گیا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر بقیہ قرار دادیں طے پا گئیں اور مستقبل کی جد و جہد کے لئے حسب ذیل نظام نامہ مکمل ہو گیا۔

۱۔ موجودہ بزم ہائے طلوع اسلام کو نہایت سادہ قواعد و ضوابط کے تحت مضبوط تر اور اسکے حلقوں کو وسیع تر کیا جائے۔

۲۔ اراکین بزم طلوع اسلام خود فیصلہ کرینگے کہ وہ اپنی بزموں کو کیا ماہانہ چندہ دیں گے۔ ہر رکن چندے کی یہ رقم کم از کم ایک سال تک اپنی بزم کو دیتا رہے گا۔ البتہ جب وہ چاہے اس رقم کو زیادہ کر سکتا ہے۔

۳۔ کراچی کی بزم طلوع اسلام فی الحال "مرکزی بزم طلوع اسلام" ہوگی۔ اور ادارہ طلوع اسلام سے نشر و اشاعت کے سلسلے میں پورا تعاون کرے گی۔

۴۔ لاہور میں ایک "مرکزی فنڈ کمیٹی" قائم کی جائیگی جو جملہ بزمہائے طلوع اسلام سے رابطہ پیدا کر کے ایک مقررہ عرصے میں ایک متعینہ رقم کی فراہمی کا بیڑا اٹھائے گی۔ یہ کمیٹی مختلف ترجمانانِ بزمہائے طلوع اسلام و دیگر بااثر احباب پر مشتمل ہو گی اور اس کی تشکیل اور فراہمی رقوم کی ابتداء طلوع اسلام کنونشن میں ہی زیر عمل آئے گی۔ یہ کمیٹی فراہم شدہ سرمائے کو محفوظ رکھے گی اور اسمیں سے کسی قسم کے خرچ کی مجاز نہ ہو گی۔ تا آنکہ نمائندگان بزم ہائے طلوع اسلام باہمی مشاورت سے اسکے متعلق کوئی پروگرام طے نہ کریں کہ اس رقم کو کن کن کاموں پر کون سی مدت پر خرچ کرنا چاہیئے۔ مرکزی فنڈ کے اولین مقاصد بالترتیب (ا) ایک تربیتی مرکز کا قیام (ب) ایک ماڈرن پریس کا قیام (ج) وسیع پیمانے پر قرآنی لٹریچر کی اشاعت ہونگے۔

۵۔ بزمہائے طلوع اسلام محلہ وار یا علاقہ وار کمیٹیاں قائم کر کے رفاہ عام اور خدمت خلق کے کام کو جلد از جلد شروع کریں تاکہ ادارۂ طلوع اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کیا جاسکے اور قرآنی معاشرے اور نظام ربوبیت کی ایک جھلک دنیا کو دکھائی جاسکے۔ دیہات میں خدمت خلق کے لئے پھیل جانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش ہونی چاہیئے۔

۶۔ ادارہ طلوع اسلام کا لٹریچر چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں کی صورت میں اور آسان زبان میں عوام تک پہنچانے کے لئے مرکزی بزم

ادارہ طلوع اسلام سے رابطہ قائم کرکے اشاعت کا اہتمام کرے گی۔ یہ لٹریچر مقامی بزموں کو قیمتاً ارسال کیا جائے گا۔

۷۔ ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے شائع شدہ پمفلٹ کافی مقبول ہو رہے ہیں۔ یہ پمفلٹ مرکزی بزم طلوع اسلام کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں تک پہنچانے کا انتظام کرے گی۔

۸۔ بزمہائے طلوع اسلام تجویز کرتی ہیں کہ ادارہ طلوع اسلام کو لاہور میں منتقل کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں تمام رکاوٹیں دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ لاہور کی بزم ادارہ طلوع اسلام کے لاہور میں منتقل ہونے سے متعلق ضروری اقدام جلد ہی شروع کرے گی۔

۹۔ جب تک ادارے کے اپنے پریس کا قیام عمل میں نہیں آتا۔ ادارہ طلوع اسلام سے شائع شدہ خصوصی مضامین کے تراجم علاقائی زبانوں میں شائع کرنے کا اہتمام کیا جائے گا۔

۱۰۔ ہر بزم ایک دارالمطالعہ قائم کرے گی جس میں صاحب فکر اصحاب کو دعوت دی جائے گی کہ وہ اپنے خیالات کی نشر و اشاعت کریں۔ (؟) کی جائے گی۔

۱۱۔ خواتین کی بزمہائے طلوع اسلام مختلف جگہوں پر جلد از جلد قائم کی جائیں گی۔ تاکہ قوت کا یہ نصف حصہ بھی قرآنی معاشرہ کی تکمیل میں حصہ دار بن سکے۔

۱۲۔ حکومت پاکستان سے پرزور درخواست کی جائے کہ وہ اس قسم کا انتظام کرے کہ ایسا لٹریچر جس سے حضور نبی اکرم کی ذات اقدس کے خلاف کسی قسم کی سوء ادبی ہوتی ہو کی اشاعت پاکستان میں قطعاً بند کی جائے۔

مذکورہ لائحہ عمل کی تکمیل کے بعد ادارہ طلوع اسلام کے ناظم جناب مولوی عبدالرب صاحب نے حسب ذیل قرارداد پیش کی:-

> "طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس بزم طلوع اسلام لاہور کی خدمت میں ہدیہ سپاس پیش کرتا ہے کہ اس نے اس اجتماع کے لئے اس قدر محبت، سلیقے اور خلوص و تدبر سے تمام انتظامات بحسن وخوبی سرانجام دیئے۔ کنونشن توقع کرتی ہے کہ ان احباب کا یہ مبارک اقدام قرآنی فکر کی تحریک میں حد درجہ باعث تقویت ثابت ہوگا"

ان فیصلوں کی تکمیل کے بعد محترم پرویز صاحب کی باری تھی۔ خان بخت جمال خاں ان کے لئے یہ تجویز کر چکے تھے کہ وہ "سورۂ والنجم" کے حسن و جمال کی نقاب کشائی کرتے ہوئے آقائے رسالت مآبؐ کے علم نبوت کی عرش پیما رفعتوں اور گہرائیوں کو تفصیل میں لائیں۔ دیوانۂ رسالتؐ کے جذب و مستی کے لئے اس سے بڑھ کر تپش اندوز اور سکون سوز موضوع اور کیا ہو سکتا تھا۔ انسانیت کی معراج اور پرویز کا حسن بیان ـــــ علم و عرفان کی سرمستیوں کی ایک جوئے نور تھی جو بند و شکن تو کر بہہ نکلی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پر ستاروں کی جگمگاتی ہوئی محفل بھی "والنجم" کی نور بیزیوں کی شہادت میں دیوانہ وار جھومنے لگی ہے محفل

پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور جاذبیت، وانہماک کا یہ عالم تھا کہ جب اتفاقاً بجلی کے قمقمے بجھ گئے۔ اور پنڈال پر تاریکی چھا گئی۔ تو نہ کوئی شخص اپنے مقام سے ذرہ بھر بھی ادھر ادھر ہوا اور نہ ہی پرویز صاحب کی تقریر کی روانی میں کوئی فرق آیا۔ قریب دو گھنٹہ کے بعد جب یہ سلسلۂ تفسیر و تشریح ختم ہوا تو ہر ایک بیک زبان کہہ رہا تھا کہ آج پہلی بار سمجھ میں آیا کہ مقام نبوت کیا ہے۔ اور قرآنی حقائق کسے کہتے ہیں نیز یہ بھی کہ وہ لوگ جو (معاذ اللہ) یہ کہتے ہیں کہ رسول ایک ہرکارے سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا وہ صرف خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا ہے اور بس۔ وہ کس قدر عظیم غلطی میں مبتلا ہیں۔ ان تاثرات کو لئے سامعین کچھ وقت کے لئے آرام کرنے کے لئے اپنی اپنی آرام گاہ کی طرف آ گئے۔

## الوداعی اور تاریخی نشست

۱۰ نومبر کی صبح کو نو بجے کنونشن کا الوداعی اور آخری اجلاس تھا۔ شہر کے لاتعداد اصحاب فکر و نظر و معزز خواتین پرویز صاحب کا آخری خطاب سننے کے لئے بیتابانہ آرزومند تھے۔ چنانچہ مندوبین و مبصرین کے علاوہ منتظمین کو ان سب کی خواہش کے احترام میں پنڈال کے اندر نئے انتظامات کرنے پڑے اور مخصوص مبصرین کی حیثیت سے سب کو شرکت کی اجازت دے دی گئی۔ آغاز اجلاس سے قبل ہی تمام نشستیں پُر ہو گئیں اور پنڈال تنگیٔ داماں کی شکایت کرنے لگا۔ آخر الامر مندوبین اور مبصرین نے نئے مہمانوں کے لئے اپنی نشستیں بھی خالی کر دیں اور خود فرش پر بیٹھ گئے۔

حافظ سردار بیگ نے تلاوتِ کلام پاک سے کارروائی کا آغاز کیا۔ خلیل صاحب کی نظم کے بعد عرشی صاحب نے مختصر سی تقریر کی۔ اور بعد ازاں مولوی عبدالرب صاحب ناظم ادارۂ طلوع اسلام نے حسب ذیل قرارداد پیش کی:۔

"طلوع اسلام کنونشن کا یہ الوداعی اجلاس بزمہائے طلوع اسلام کے ہر رکن سے مخلصانہ اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر قدم پر اس حقیقت کی عملی شہادت بنا ہے کہ طلوع اسلام کی تحریک اور اس سے متعلقہ احباب نہ تو امتِ مسلمہ میں کسی نئے فرقہ کے داعی ہیں اور نہ نماز روزہ اور دیگر ارکانِ دین میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد و مسلک تعلیماتِ قرآنی کی نشر و اشاعت اور ان کے مطابق معاشرے کے قیام کی جدوجہد ہے۔"

مذکورہ قرارداد منظور ہونے پر صاحب صدر جناب چودھری عبدالرحمٰن صاحب نے حسب ذیل الفاظ میں حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

حضرات! میں صاحب صدر، ممبران بزم طلوع اسلام لاہور نیز منتظمین کنونشن کی طرف سے تمام بزمہائے طلوع اسلام مغربی پاکستان کے مندوبین، مبصرین و دیگر مہمانانِ عزیز کی شرکت کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے کافی وقت دے کر اور اخراجات کا تحمل ہوتے ہوئے اس اجتماع میں انتہائی ہمدردی سے حصہ لیا ہے اور اس طرح قرآنی فکر و عمل کی توسیع میں حسب ضرورت اضافہ فرمایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمام حضرات یہاں سے رخصت ہونے کے بعد اپنے اپنے مقامی حلقوں میں آئندہ زیادہ مستعدی سے کام کرتے ہوئے انسانیت کی خدمت

کے لئے قرآن پاک کی روشنی میں تیزی سے آگے بڑھیں گے اس لئے کہ زمانہ اتنی تیز رفتاری سے آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے کہ اس کے موجودہ تقاضے کسی سستی کو برداشت نہیں کر سکتے۔

میں منتظمین کنونشن کی طرف سے انتظامات کی خامیوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ اور آپ نے جس محبت خلوص اور ہمدردی سے اُن کی پردہ پوشی کی ہے اُس کے بیان کے لئے مجھے موزوں الفاظ نہیں ملتے۔ البتہ آپ کے اس احسان نے ہم میں آئندہ کے لئے بدرجۂ اتم جذبۂ خدمت بیدار کر دیا ہے جس کے لئے ہم دل کی گہرائیوں سے مشکور ہیں۔

آخر میں محترم پرویز صاحب کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے کنونشن میں شمولیت فرما کر اسے انتہائی طور سے کامیاب بنایا ہے اور یہ اعتراف کرتے ہوئے غالباً میں سب احباب کی ترجمانی کر رہا ہوں کہ علمی اور عملی استعداد کے لحاظ سے ہم اس معیار کی ابھی تک گرد تک کو نہیں چھو سکے جو قرآن پاک نے قائم کر رکھا ہے۔ لیکن محترم پرویز صاحب یقین رکھیں کہ ہماری کوششیں آپ کی قرآنی بصیرت کی رہنمائی میں انشاء اللہ بار آور ہوں گی۔ اب آپ اس سفر عظیم میں تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ ایک چھوٹا سا قافلہ جس میں ہر روز توسیع ہو رہی ہے آپ کا ہم سفر ہے۔ اور آئندہ ہم قرآنی فکر و عمل پر اس طرح گامزن ہونے کی پوری پوری کوشش کریں گے جو انسانیت کے شایانِ شان ہو۔ اور اس طرح انسانیت کی تمام مشکلات کا واحد حل (یعنی نظام ربوبیت) ہر آنے والا دن قریب سے قریب تر لاتا چلا جائے۔ اے خدائے عزوجل ہماری مدد فرما۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار۔

صاحب صدر کی اس تقریر کے بعد محترم پرویز صاحب الوداعی خطاب کے لئے مائک کے سامنے تشریف لائے اور انہوں نے قرآن اور تاریخ کی روشنی میں آزادی کے مفہوم پر ایک مبسوط خطبہ ارشاد فرمایا۔

حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"یہ سوال بار بار دہرایا جاتا ہے کہ اُس معاشرے سے جسے قرآن متشکل کرتا ہے انسان کو کیا ملے گا اور وہ نظام جسے "نظام ربوبیت" کہتے ہیں انسانی زندگی میں کس قسم کی خوشگواریاں پیدا کرتا ہے۔ آج کے اجلاس میں اس امر کی وضاحت کرنا مجھے کام کی بات ہوگی کہ بد نصیب انسان کو آخر اس نظام سے ملے گا کیا؛ لیکن اس کے لئے آپ پہلے یہ سوچئے کہ وہ کونسی چیز ہے جس کے لئے انسان کے سینے میں تڑپ اور خلش برپا ہے؟ اقوام عالم کی تاریخ پر نظر ڈالئے ایک ایک واقعہ اس امر کی شہادت دے گا کہ انسان کی انتہائی آرزو ہر دور میں یہی رہی ہے کہ اسے آزادی مل جائے۔ جب بھی کسی قوم نے آزادی حاصل کی تھی کہ چراغ جلائے گئے اور خوشی کے شادیانے بجے انسان آزادی کی خاطر جینا چاہتا ہے اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں بھی کرتا ہے۔ لیکن آج تک آزادی کے صحیح مفہوم کا تعین نہ ہو سکا۔ قرآن آیا اور اس نے آکر بتایا کہ نبی کی آمد کا مقصد کیا ہوتا ہے۔ کہا کہ ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم۔ یعنی رسول اللہ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت جن زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی وہ انہیں توڑ دے تاکہ انسانیت سرفرازی سے چلنے کے قابل ہو سکے۔ لیکن یہ سوال پھر بھی قائم رہتا ہے کہ آزادی کسے کہتے ہیں؟

قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ وہ کسی معاملہ کو تشنۂ تکمیل نہیں چھوڑتا چنانچہ اُس نے آزادی کا مفہوم واضح کرتے ہوئے اعلان کیا

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (۳/۷۹)

کسی انسان کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اسے کتاب، حکومت اور نبوت دے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میری غلامی اختیار کرو۔ اسے کہنا چاہیئے کہ تم سب ربانی بن جاؤ اس کتاب کے ذریعے جس کی تعلیم کو تم اپنے دلوں پر نقش کرتے ہو۔) قرآن نے آزادی کی تعریف کر دی اور اس کا دائرہ متعین کر دیا۔ اس نے بتایا کہ آزادی سے مفہوم یہ ہے کہ انسان سے صرف خدا کے قوانین کی اطاعت کرائی جائے۔ کسی انسان کی اطاعت نہ کرائی جائے۔

محترم پرویز صاحب نے حضور رسالتمآب، صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے دور کی مثالوں سے واضح کیا کہ اسلام اس حقیقت کا علمبردار ہے کہ نہ تو انسان کی آزادی کسی جانب سے مجروح ہونے پائے اور نہ اُسے اس قدر کھلا چھوڑ دیا جائے کہ وہ بے باکیوں پر اُتر آئے۔ اس ضمن میں سیرت نبی اکرمؐ کے ایسے درخشندہ اور تابناک گوشے وجۂ شادابیٔ قلب و نظر ہوئے جن سے بصیرت کی فضا میں جگمگا اٹھیں۔ اس کے بعد پرویز صاحب نے مندوبین کو بالخصوص مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "میں نے قرآنی فکر کا ایک چھوٹا سا دیا جلایا تھا اور کئی سالوں سے اسے ہاتھوں میں اُٹھائے آگے بڑھ رہا ہوں۔ اس دیئے کو روشن رکھنا اب آپ کا کام ہے۔ اس کے لئے سینوں کی حرارت کی ضرورت ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ روشنی آپ کے دلوں کی حرارت سے پھیلتی چلی جائے گی۔

خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات

آپ اپنی بے سروسامانیوں پر نہ جایئے۔ اسلام کی روشنی میں دنیا کا انقلاب عظیم ان مجاہدوں کے ہاتھوں بپا ہوا جن کے پاس میدانِ جنگ میں جانے کے لئے سواری تک نہ تھی۔ قرآن کا یہ پیغام زبان اور الفاظ کے زور پر نہیں پھیلے گا۔ آپ کی زبان خاموش ہو لیکن دیکھنے والے آپ کو دیکھ کر کہیں کہ وہ دیکھئے قرآن کے نظام ربوبیت کا علمبردار آرہا ہے۔

آپ کے متعلق بہت کچھ مشہور کیا جارہا ہے۔ بہت سی غلط فہمیاں پھیلائی جارہی ہیں لیکن آپ اپنے عمل سے ثابت کر دیجئے کہ آپ نہ کوئی مذہبی فرقہ ہیں اور نہ سیاسی پارٹی۔ ہم ملت کی کشتی میں دوسرے بھائیوں کے ساتھ ہی سوار ہیں اور اگر خدانخواستہ یہ کشتی ڈوبی تو ہم بھی سب کے ساتھ ہی ڈوبیں گے۔

ہماری خوش نصیبی ہے کہ اسلامی نظام کے لئے ہمیں ایک خطۂ زمین حاصل ہو گیا۔ اس خطۂ زمین اور اس کے حصول کی تحریک سے "طلوع اسلام" کی وابستگی اس بنا پر تھی کہ دین کا تمکن خطۂ زمین کے بغیر ممکن نہیں۔ وہ خطۂ زمین مل گیا۔ اب ہماری جدوجہد یہ ہے کہ وہ دین اس سرزمین پر متشکل ہو جائے۔ آپ کی طرف سے کوئی حرکت ایسی سرزد نہیں ہونی چاہیئے جس سے پاکستان کے خطۂ زمین کو کسی قسم کا ضعف پہنچے۔ اس کی حفاظت آپ کا اولین فریضہ ہے خواہ اس کے لئے جان تک بھی کیوں نہ دینی پڑ جائے۔"

آخر میں پرویز صاحب نے خدا کی بارگاہ میں دعا کرتے ہوئے انتہائی سوز کے عالم میں کہا،

"اے خدائے کائنات ہم جذبۂ صادق کی پونجی لے کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں اسے قبول فرما۔" اُن کی آنکھوں سے عجز و خلوص کے آنسو بہ نکلے اور اُن کی آواز جوشِ تاثر سے بھرا گئی۔

* * * * *

تین دن کی پُر بہار سرگرمیوں اور سوز و گداز کی حرارتوں سے معمور یہ اجتماع اس طرح ختم ہوا اس کے بعد جب یہ تمام رفقائے سفر ایک دوسرے سے گلے مل کر رخصت ہو رہے تھے تو وہ سماں بڑا ہی درد انگیز اور رقت آمیز تھا۔ ہر ایک کی آنکھوں میں آنسو اور لب پر پُرخلوص دعائیں تھیں۔ ایسا نظر آتا تھا کہ محبت اور خلوص کا ایک بحرِ بے پایاں ہے جو یہاں سے وہاں تک ٹھاٹھیں مارتا چلا جا رہا ہے۔ محترم پرویز صاحب نے ایک ایک رفیق کو گلے مل کر رخصت کیا۔ اُن کی اپنی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی جھڑی رواں تھی اور ملنے والوں کے دل بھی پانی بن کر آنکھ کے چشموں سے اُبلتے چلے آ رہے تھے۔ چنانچہ ہزاروں دعاؤں اور دوبارہ اسی طرح ملنے کی لاکھوں تمناؤں کے ساتھ یہ اجتماع دوپہر کے بعد اختتام پذیر ہوا۔ اس آرزو کے ساتھ کہ

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

لاہور کی سرزمین نے ہزاروں اجتماعات دیکھے ہوں گے۔ لیکن اس انداز کا اجتماع اس سے پہلے اس کی نظروں سے شاید ہی گزرا ہوگا۔ اس لئے کہ اس میں خلوص اور محبت اور قرآن سے والہانہ شیفتگی اور ذاتِ رسالتمآب سے بے پناہ عشق کا جذبہ کچھ اس انداز سے آئینہ پاش تھا کہ ساری فضا نور و نکہت کا حسین پیکر بن رہی تھی۔ خدا اس سرزمین کو اس قسم کے اجتماعات دیکھنے کی سعادت نصیب کرے۔

* * *

**ایک ضروری وضاحت**

احباب نے میری توجہ اس خبر کی طرف دلائی ہے جو بعض اخبارات میں اے پی پی (APP) کے حوالے شائع ہوئی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ میں نے کنونشن کے موقع پر ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ہماری تحریک مذہبی ہے جسے سیاسیات سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ رپورٹ صحیح نہیں ہے۔ مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ کیا آپ کا اجتماع آئندہ الیکشن کی تیاری کیلئے ہے اس کے جواب میں میں نے کہا تھا کہ ہمارے سامنے سیرت اور قسم کا کام ہے جس کی وجہ سے ہم ملک کی عملی سیاسیات میں حصہ نہیں لے رہے ہمارے نزدیک دین میں مذہب اور سیاست الگ الگ شعبے نہیں ہیں۔ دین زندگی کے ہر گوشہ کو محیط ہے اور طلوعِ اسلام کی تحریک اسی قرآنی تصور پر مبنی ہے۔

پرویز

# مہمانان

طلوع اسلام کنونشن میں مغربی پاکستان کے مختلف علاقوں سے جن نمائندگان نے شرکت فرمائی ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔ یہ فہرست مکمل نہیں کیونکہ بعض احباب اپنے نام درج فہرست کرانے سے پیشتر تشریف لے گئے۔ نیز اتوار کے صبح کے اجلاس میں مقامی احباب کثیر تعداد میں تشریف لائے۔ ان کے اسمائے گرامی بھی فہرست میں شامل نہیں ہیں۔

## آزاد کشمیر

۱۔ جناب محمد کبیر حسین بٹ صاحب (کوٹلی بازار) ضلع میرپور

## اوکاڑہ

۲۔ جناب ذبیر عزیز صاحب۔

## ایبٹ آباد

۳۔ جناب عنایت حسین صاحب

## پشاور

۴۔ جناب مرزا علی احمد صاحب۔

۵۔ جناب مرزا نصیرالدین صاحب۔

## ٹنڈو آدم

۶۔ جناب حکیم حسنی صاحب

## جہلم

۷۔ جناب سید محمد حسین شاہ

۸۔ " رحیم بخش صاحب۔

۹۔ جناب ڈاکٹر محمد حقیق مرزا صاحب۔

۱۰۔ جناب گل نواز خاں صاحب۔

۱۱۔ " سید امیر حسین صاحب (سید حسین)

## جھنگ

۱۲۔ جناب سید تجمل حسین صاحب۔

۱۳۔ " ظفر عباس قریشی صاحب

۱۴۔ " مستری غلام محمد صاحب (چک ۲۳۸)

## چنیوٹ

۱۵۔ جناب کریم بخش صاحب

۱۶۔ " نور محمد صاحب

۱۷۔ " حامد علی صاحب

## ڈیرہ اسماعیل خاں

۱۸۔ جناب محمد نذیر چودھری صاحب

## راولپنڈی

۱۹۔ جناب عزیز اللہ قریشی صاحب
۲۰۔ " بابو ندیم بٹ "
۲۱۔ " عبد الحمید "
۲۲۔ " محمد آصف حسین "
۲۳۔ " محمد دین "
۲۴۔ " ملک عبد اللہ جان "
۲۵۔ " قدرت اللہ "
۲۶۔ " یوسف سرحدی "
۲۷۔ " صوبیدار منور خان صاحب (کوٹلی ستیاں)
۲۸۔ " چودھری بشیر احمد صاحب (رسوی)
۲۹۔ " مولا بخش صاحب

## سرگودھا

۳۰۔ جناب خلافت علی فاروقی صاحب
نصر اللہ خاں صاحب (چک ۰۰ شمالی)

## سکھر

۳۲۔ جناب محبوب علی شاہ صاحب بخاری
۳۳۔ " اے حمید صاحب

## سیالکوٹ

۳۴۔ جناب پروفیسر محمد دین بھٹی صاحب
۳۵۔ " ماسٹر نیاز محمد صاحب
۳۶۔ " ملک فیض احمد خاں صاحب
۳۷۔ " مبعوث اللہ خاں صاحب
۳۸۔ " محمد نظیر قریشی صاحب
۳۹۔ " محمد سبحانی صاحب

۴۰۔ جناب عابد حسین صاحب
۴۱۔ جناب حاکم دین صاحب
۴۲۔ جناب بشارت علی صاحب
۴۳۔ جناب محمد انور صاحب
۴۴۔ جناب سلطان احمد صاحب

## سعودی عرب

۴۵۔ جناب میر محمد اسحاق صاحب (دہران)

## شیخوپورہ

۴۶۔ جناب غلام جیلانی صاحب
۴۷۔ جناب شوکت علی صاحب
۴۸۔ جناب عبد الکریم صاحب

## قصور

۴۹۔ جناب نور محمد صاحب
۵۰۔ جناب قدیر احمد صاحب
۵۱۔ جناب برکت علی صاحب

## کوئٹہ

۵۲۔ جناب عبد الغفور صاحب
۵۳۔ جناب یعقوب توفیق صاحب

## کلری

۵۴۔ جناب رائے محمد خان صاحب
۵۵۔ جناب ملک غلام محمد صاحب

## کراچی

۵۶۔ جناب ڈاکٹر محمد صادق صاحب
۵۷۔ جناب رضوان الحسن صاحب
۵۸۔ جناب محمد سعید صاحب

۵۹- جناب محمد شریف صاحب

۶۰- جناب محترم پرویز صاحب

۶۱- جناب مولوی عبدالرب صاحب

۶۲- جناب ڈاکٹر حبیب الرحمان صاحب

۶۳- جناب بخت جمال خاں صاحب

۶۴- جناب فضل محمد سبحانی صاحب

۶۵- جناب ملک عبدالوحید صاحب

۶۶- جناب خورشید علی خاں صاحب

۶۷- جناب حافظ برکت اللہ صاحب

۶۸- جناب محمد اسلام صاحب

۶۹- جناب وزیر محمد صاحب

۷۰- جناب عبدالخالق صاحب

۷۱- جناب ایم۔ اے۔ حمید صاحب

۷۲- جناب محمد یٰسین صاحب

۷۳- جناب قاضی محمد اکبر صاحب

۷۴- جناب نعمت اللہ خاں صاحب

۷۵- جناب شبیر احمد صاحب

۷۶- جناب عبدالماجد شمسی صاحب

۷۷- جناب محمد اسماعیل صاحب

۷۸- جناب گلزار حسین صاحب

۷۹- جناب ملک مظفر علی صاحب

## کوہاٹ

۸۰- جناب خداداد صاحب

۸۱- جناب محمد جمیل خاں صاحب

۸۲- جناب عبدالوحید صاحب

۸۳- جناب مستان شاہ صاحب

۸۴- جناب سرور علی شاہ صاحب

## گجرات

۸۵- جناب چودھری صالح محمد تارڑ (دھریکا کلاں)

۸۶- جناب امان اللہ صاحب (تحاور آباد)

۸۷- جناب محمد حسین صاحب

۸۸- جناب عبدالرزاق صاحب

۸۹- جناب چودھری محمد اکبر صاحب (دینا منڈی)

۹۰- جناب غلام حسین صاحب (دھریکاں)

۹۱- جناب عبدالرؤف صاحب (جلال پور جٹاں)

۹۲- جناب مرزا غلام حسین صاحب (جلال پور جٹاں)

۹۳- جناب محمد امین صاحب (ڈوگا متصل دولت نگر)

۹۴- جناب عبدالغنی قریشی صاحب

۹۵- جناب رفیق احمد صاحب (چک شیخاں)

۹۶- جناب صوبیدار قاضی محمد رفیق لودھی (قاضیاں)

۹۷- جناب اللہ دتا صاحب (دینا منڈی)

۹۸- جناب نور محمد صاحب ( " )

۹۹- جناب اکبر علی صاحب ( " )

۱۰۰- جناب ایم محمد اسلم (دولت نگر)

۱۰۱- جناب محمد نذیر تارڑ صاحب (دھریکا کلاں)

## لائل پور

۱۰۲- جناب عبدالمجید خاں صاحب

۱۰۳- جناب عزیز حسین صاحب قریشی

۱۰۴- جناب احمد حسین صاحب

لاہور

۱۰۵۔ جناب مرزا معراج الدین صاحب
۱۰۶۔ جناب چودھری عبدالرحمٰن صاحب
۱۰۷۔ جناب عبدالحی صاحب
۱۰۸۔ جناب ڈاکٹر احمد حسن صاحب
۱۰۹۔ جناب سید عبدالودود صاحب
۱۱۰۔ جناب مرزا خلیل صاحب
۱۱۱۔ جناب رضوان الحق صاحب
۱۱۲۔ جناب عبداللطیف نظامی صاحب
۱۱۳۔ جناب چودھری افتخار احمد صاحب
۱۱۴۔ جناب حافظ ریاض احمد صاحب
۱۱۵۔ جناب خواجہ محمد حسین صاحب
۱۱۶۔ جناب محمد بشیر صاحب
۱۱۷۔ جناب محمد سعید صاحب
۱۱۸۔ جناب محمد یعقوب صاحب
۱۱۹۔ جناب صفدر سلیمی صاحب
۱۲۰۔ جناب اشرف جاوید صاحب
۱۲۱۔ جناب ظہور الدین صاحب
۱۲۲۔ جناب خواجہ عبدالرحمٰن صاحب طارق
۱۲۳۔ جناب محمد شبیر خاں صاحب
۱۲۴۔ جناب محمد حسین قریشی
۱۲۵۔ جناب محمد رفیق صاحب
۱۲۶۔ جناب صوفی عنایت اللہ خاں صاحب
۱۲۷ جناب محمد سرور خاں صاحب
۱۲۸ جناب عبدالقدیر صاحب
۱۲۹ جناب حافظ سردار بیگ صاحب
۱۳۰۔ جناب چودھری عبدالرؤف صاحب
۱۳۱۔ جناب اسماعیل ظفر صاحب
۱۳۲۔ جناب میاں جلال الدین صاحب
۱۳۳۔ جناب میاں امین الدین صاحب
۱۳۴۔ جناب محمد یٰسین صاحب قریشی
۱۳۵۔ جناب محمد یعقوب صاحب
۱۳۶۔ جناب چودھری بشارت اللہ صاحب
۱۳۷۔ جناب شیخ فضل الحق صاحب
۱۳۸۔ جناب رشید چودھری صاحب
۱۳۹۔ جناب احسن محمود صاحب
۱۴۰۔ جناب محمد شفیع صاحب
۱۴۱۔ جناب چودھری عبدالحمید صاحب
۱۴۲۔ جناب چودھری محمد یٰسین صاحب
۱۴۳۔ جناب حاجی محمد رفیع صاحب
۱۴۴۔ جناب ظفر احمد قریشی صاحب
۱۴۵۔ جناب شبیر احمد صاحب
۱۴۶۔ جناب ٹھیکیدار ولی محمد صاحب
۱۴۷۔ جناب غلام علی صاحب
۱۴۸۔ جناب خالد رحمان صاحب
۱۴۹۔ جناب فیض محمد صاحب
۱۵۰۔ جناب غلام رسول صاحب
۱۵۱۔ جناب عبدالمجید بھٹی صاحب
۱۵۲۔ جناب عبدالکریم صدیقی صاحب
۱۵۳۔ جناب لفٹیننٹ میاں محمد اسلم صاحب
۱۵۴۔ جناب عبدالخالق صاحب ریاض

## مردان

۱۵۵ - جناب عبدالحکیم خاں صاحب

۱۵۶ - جناب ڈاکٹر رضا محمد خاں صاحب

۱۵۷ - جناب محمود علی صاحب

۱۵۸ - جناب فضل کریم صاحب

## منٹگمری

۱۵۹ - جناب غلام محمد خاں صاحب

۱۶۰ - جناب چودھری عطاء اللہ صاحب

۱۶۱ - جناب کریم بخش صاحب (کونسلر)

۱۶۲ - جناب ڈاکٹر محمد فضل خالق صاحب (چارلبغ تحصیل ٹوابی)

۱۶۳ - جناب محمد شعیب صاحب (" " " ")

## ملتان

۱۶۴ - جناب حکیم احمد دین صاحب

۱۶۵ - جناب ماسٹر عطا محمد علوی صاحب

## میانوالی

۱۶۶ - جناب عبدالکریم قریشی صاحب

## نواب شاہ

۱۶۷ - جناب جلیل الرحمان خاں صاحب

## واہ

۱۶۸ - جناب محمد شفیع صاحب (چھاؤنی)

۱۶۹ - جناب اقبال محمد صاحب (چھاؤنی)

۱۷۰ - جناب اشفاق احمد صاحب

## ہزارہ

۱۷۱ - جناب محمد اسماعیل صاحب (موڑہ محمود) (۱۷۱،۱۷۱ احباب)


# انڈس

## خوبصورت اور پائیدار شیشہ کے برتنوں کا ضامن ہے۔

ہمارے ہاں

ہر قسم کے شیشہ کے ظروف. جگ. گلاس. برنیاں وغیرہ رنگین و سادہ. منقش و پھول دار چمنیاں و گلوب بوتلیں و اسٹیشنری اشیاء و بلاگ گلاس تیار ہوتے ہیں۔

پتہ:- انڈس گلاس ورکس لمیٹڈ پوسٹ بکس ۵

گولیمار روڈ ——— حیدرآباد (مغربی پاکستان)

باسمہٖ تعالیٰ

## خیز و بخاکِ تشنہ

# بادۂ زندگی

## فشاں

(محترم پرویز صاحب کی تقریر جس سے انہوں نے طلوع اسلام کنونشن منعقدہ
۱۶ر-۱۷-۱۸- نومبر ۱۹۵۶ء سے خطاب کیا)

ادارۂ طلوع اسلام کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# خطاب بہ رُفقائے سفر

خاکِ ما خیزد کہ سازد آسمانے دیگرے
ذرۂ ناچیز و تعمیرِ بیابانے نگر

برادرانِ عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آج کا اجتماع کس قدر مبارک و مسعود ہے جس میں پاکستان کے دور دراز گوشوں کے احباب، سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے، محض اس مقصد کے لئے یکجا جمع ہوئے ہیں کہ وہ سوچیں کہ خدا کے اس پیغام کو زیادہ سے زیادہ انسانوں تک پہنچانے کے لئے کیا تدابیر عمل میں لائی جائیں، جس کی اتباع میں نوعِ انسانی کی فلاح و سعادت کا راز مضمر ہے اور جو شرفِ انسانیت کی تکمیل کا واحد اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

آں کتابِ زندہ، قرآنِ حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات — بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
نوعِ انساں را پیامِ آخریں — حاملِ او رحمۃ للعالمین

اور جمع بھی قرآن ہی کے اس طریق کے مطابق ہوئے ہیں جو اس نے تقسیمِ کار کے محکم اصول کی رُو سے ایسے امور کے لئے تجویز کر رکھا ہے اور جس میں کہا گیا ہے کہ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (۹/۱۲۲)، کہ ہر مقام کی جماعت سے چند افراد تفقہ

فی الدین کے لئے مرکزی مقام ہیں آئیں اور جو کچھ وہاں سے سیکھیں واپس جاکر باقی ماندہ افرادِ جماعت کو اس سے آگاہ کریں تاکہ اس طرح یہ تمام افراد، زندگی کی خطرناک راہوں سے بچ کر چلیں۔ یہ اجتماع درحقیقت میری زندگی کے دیرینہ خوابوں کے ایک منظر کی تعبیر ہے جسے میں اس شگفتہ و شاداب محفل کی شکل میں اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں جس کا ہر گوشہ، غالبؔ کے الفاظ میں

دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

### حیرت انگیز تبدیلی

جب میں نے آج سے بیس پچیس سال اُدھر پہلے پہل قرآن کی طرف دعوت دی ہے، تو میری آواز، ذہنی جمود و تعطل کی چٹانوں سے ٹکرا کر یکسر ناکام و نامراد واپس آجاتی تھی۔ ہر چند میرا ایمان تھا کہ حق و صداقت کی کوئی آواز صدا بصحرا نہیں جایا کرتی، مجھے اس کی توقع کبھی نہیں ہوتی تھی کہ میری مختصر سی زندگی میں ایسا انقلاب واقع ہو جائے گا کہ ملک کے گوشے گوشے سے اس کی صدائے بازگشت اُبھرنی شروع ہو جائے گی اور یہ فضا قرآن کے نغماتِ جانفزا سے اس طرح معمور ہو جائے گی۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (۵۸/۱۰) یہ سب اس مبدءِ فیض کی کرم گستری کا تصدق ہے جس کا قانونِ مکافات ایک ننھے سے بیج کو سرسبز و شاداب تناور درخت میں یوں تبدیل کر دیتا ہے۔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (۲۹/۴۸) جیسے جب شگوفہ پھوٹتا ہے تو اس کی پہلی کونپل بڑی نرم و نازک ہوتی ہے۔ پھر وہ طاقت پکڑ کر ذرا مضبوط ہو جاتی ہے۔ پھر اور مضبوط۔ پھر جب اس کے خوشوں میں دانے پڑنے کا وقت آجاتا ہے تو وہ اپنی نال پر محکم و استوار طریق سے کھڑی ہو جاتی ہے۔ کاشتکار جب اپنی محنت کو اس طرح ثمربار ہوتے دیکھتا ہے تو اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے لیکن یہی چیز اس کھیتی کے مخالفین کے سینے پر سانپ بن کر لوٹنے کا موجب بن جاتی ہے۔

آپ کو یہ سن کر حیرت و مسرت ہوگی کہ یہ آواز پاکستان کی چاردیواری تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ یورپ اور امریکہ تک بھی پہنچ چکی ہے۔ چنانچہ ان ممالک کے ایسے ریسرچ اسکالرز جنہیں اسلامیات سے دلچسپی ہوتی ہے قرآنی فکر و نظام کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے اکثر میرے پاس آتے رہتے ہیں۔ فضا کی یہی وہ سازگاری ہے جس سے میرے حوصلے بلند اور ہمتیں جوان ہو جاتی ہیں اور اس کی امید بندھ جاتی ہے کہ شاید میری یہ آرزو کبھی پوری ہو جائے کہ میں دنیا کے کسی ایک گوشے میں ہی سہی اس قرآنی نظام کی ایک جھلک دیکھ لوں جسے آج سے چودہ سو سال پہلے آسمان کی آنکھوں نے ایک بار خطۂ حجاز میں (محمد رسول اللّٰه والذین معہٗ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے مقدس ہاتھوں سے متشکل دیکھا تھا اور جسے دوبارہ دیکھنے کے لئے وہ آج تک حیران و سرگرداں ہے۔

کتنی حسین ہے یہ تمنا اور کس قدر تابناک ہے یہ آرزو کہ جس کے تصور سے ذہنِ انسانی کا یہ عالم ہے کہ

موجۂ گل سے چراغاں ہے گزرگاہِ خیال

سوچئے کہ جس حسنِ بہار کے تصور سے ذوقِ نگاہ کی عطر پاشیوں اور عنبر فشانیوں کا یہ عالم ہو وہ اگر کہیں سامنے مجاز میں دکھ

شادابی قلب و نظر بن جائے تو کائنات کے اس اُجڑے ہوئے بہشت کا نقشہ کیا سے کیا ہو جائے۔

اے ظہورِ تو شبابِ زندگی جلوہ ات تعبیرِ خوابِ زندگی
باز تسکینِ دلِ ناشاد شو باز اندر سینہ ہا آباد شو
باز در عالم بیار ایامِ صلح جنگ جویاں را بدہ پیغامِ صلح
شورشِ اقوام را خاموش کن نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن
باز ایں اوراق را شیرازہ کن باز آئینِ محبت تازہ کن

سجدہ ہائے طفلک و برنا و پیر
از جبینِ شرمسارِ ما بگیر

اگر مرنے سے پہلے اس نظامِ عالمتاب کی ایک جھلک کہیں نظر آجائے تو کس فخر و مسرت سے آسمان سے کہا جا سکے کہ

دیدۂ آغاز م - انجام نگر

وَ کَانَ ذٰلِکَ عَلَى اللّٰہِ یَسِیۡرًا (۴/۳۰)

---

## ایک تعجب انگیز حقیقت

برادرانِ گرامی قدر! انگریزی میں کہا کرتے ہیں (Truth is stranger than Fiction) یعنی بعض حقیقتیں افسانوں سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہوتی ہیں۔ آپ کسی اجنبی سے کہیئے کہ ایک قوم ہے جس کا یہ ایمان ہے (یعنی محض خیال نہیں بلکہ ایمان) کہ دنیا میں ایک کتاب ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ان کی راہ نمائی کے لئے خدا کی طرف سے بذریعہ وحی عطا ہوئی ہے اس کا ایک ایک حرف محفوظ ہے۔ ساری دنیا کے انسان مل کر بھی اس کی مثل و نظیر مرتب نہیں کر سکتے۔ یہ کتاب سفرِ زندگی میں اس راستے کی طرف راہ نمائی کرتی ہے جو سب سے زیادہ سیدھا۔ سب سے زیادہ متوازن اور سب سے زیادہ محکم ہے۔ اس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے اس دنیا میں بھی عزت و عظمت شان و شوکت۔ قوت و حشمت اور حکومت و سطوت ملتی ہے اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی سرفرازی و سربلندی۔ انہیں اس کا بھی اعتراف ہے (اور اس اعتراف کا وہ ہر مقام پر اعلان کرتے رہتے ہیں) کہ ان کی ذلت و پستی۔ نکبت و زبوں حالی بیچارگی و درماندگی کا واحد سبب یہ ہے کہ انہوں نے اس کتابِ عظیم کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے۔ آپ اس اجنبی سے یہ سب کچھ کہیں اور اس کے بعد اسے بتائیں کہ اس کے ساتھ ہی اس قوم کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی خدا کا بندہ انہیں اس کتاب کی طرف دعوت دیتا ہے تو وہ قوم پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتی ہے اور اس کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰہِ یَدۡعُوۡہُ کَادُوۡا یَکُوۡنُوۡنَ عَلَیۡہِ لِبَدًا (۷۲/۱۹) اس قوم کے بڑے بڑے راہ نمایانِ شریعت اور ہادیانِ طریقت جگہ بہ جگہ لوگوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ دیکھنا! اس کتاب کا ایک لفظ بھی تمہارے

کان ڈین نہ پڑنے پائے۔ تم نہ اسے خود سننا نہ کسی اور کو سننے دینا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ تم اس آواز کو دلائل و براہین سے دبا نہیں سکو گے۔ اس لئے اسے ناکام بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں دیکھو کہ اس کتاب کا ذکر ہو رہا ہے اَلْغَوْا فِیْهِ بس شور مچانا شروع کر دو۔ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ (۴۱/۲۶)، اس سے توقع ہو سکتی ہے کہ تم اس دعوت کو ناکام بنا سکو۔ وہ گلی گلی، محلے محلے اس کی تلقین کرتے اور اس آواز کو بلند کرنے والوں کے خلاف بہتان تراشیوں اور دروغ بافیوں سے عوام کے جذبات کو اس طرح بھڑکاتے رہتے ہیں کہ یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا (۲۲/۷۲) یوں نظر آتا ہے جیسے یہ ان پر بھپرے ہوئے شیر کی طرح حملہ کر دیں گے، اس جرم کی پاداش میں کہ یہ انہیں قرآن کی طرف دعوت کیوں دیتے ہیں؟

کہئے کہ وہ اجنبی اسے سن کر کیا کہے گا؟ کیا یہی نہیں کہے گا کہ واقعی بعض حقیقتیں افسانوں سے بھی زیادہ تحیر انگیز ہوتی ہیں! اجنبی تو ایک طرف۔ اس واقعہ کو خود اپنوں سے بیان کیجئے تو وہ بھی اسے بمشکل باور کریں گے۔ وہ بھی یہی کہیں گے کہ نہیں صاحب! بات کچھ اور ہوگی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ ساری عمر اٹھتے بیٹھتے قرآن۔ قرآن پکارتے رہتے ہیں۔ جن کی ہر بات کا آغاز بھی قرآن سے ہوتا ہے اور انجام بھی قرآن پر۔ وہ دعوت الی القرآن کی اس طرح مخالفت کریں؟ اور تو اور جب تک ذاتی طور پر اس کا تجربہ نہیں ہوا خود میری سمجھ میں بھی یہ بات نہیں آتی تھی کہ مسلمان قرآن کی مخالفت کس طرح کر سکتا ہے۔ ہمارے ہاں قرآن کی آواز، اسی شہر

## فرقہ اہل قرآن

(لاہور) سے، اس صدی کے اوائل میں اٹھی تھی اور اس کی بڑی مخالفت ہوئی تھی۔ لیکن جب میں نے اس دعوت کا تجزیہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان حضرات نے قرآن کو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے پیش نہیں کیا تھا۔ محض فقہی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ اور اس میں بھی ان کی ایک بنیادی غلطی تھی جس کی وجہ سے یہ حضرات بدقسمتی سے خود ایک فرقہ بن کر رہ گئے تھے (جو اہل الذکر والقرآن کے نام سے متعارف ہے) اس لئے ان کی مخالفت اسی انداز کی تھی جس انداز سے ہمارے مختلف مذہبی فرقے باہمدگر دست و گریباں ہوتے رہتے ہیں۔ یعنی یہ مخالفت پیشہ ورانہ حسد کی بنا پر تھی، قرآن کی تعلیم کی بنا پر نہیں تھی۔ لیکن جب میں نے خود اس آواز کو بلند کیا اور اس بیس پچیس برس کے عرصہ میں اس کی انتہائی کوشش کی (اور اللہ کا شکر ہے کہ میں ابھی تک اس کوشش میں کامیاب ہوں) کہ یہ دعوت ایک نئے فرقہ کا خمیر نہ بن جائے (کیونکہ اس صورت میں یہ قرآن کی آواز ہی نہیں کہلا سکتی۔ قرآن تو فرقہ سازی کو شرک قرار دیتا ہے ۳۰/۳۲) تو میں نے دیکھا یہ کہ اگر آپ قرآن کو محض انفرادی وعظ و نصیحت کے طور پر پیش کریں تو اس کی مخالفت کہیں سے نہیں ہوگی۔ لیکن جب آپ اسے دین۔ یعنی ایک اجتماعی نظام کی شکل میں پیش کریں گے تو مخالفت کا ہجوم چاروں طرف سے سیلاب بلا کی طرح امنڈ آئے گا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن، خدا اور

## قرآنی نظام کی مخالفت

بندے کے درمیان کسی قوت کو حائل نہیں ہونے دیتا۔ وہ اپنے محکم نظام کے ذریعے۔ براہ راست خدا کے قانون کی اطاعت سکھاتا ہے۔ اس سے وہ تمام قوتیں جو خدا اور انسان کے درمیان حائل ہوتی ہیں یوں ناپید ہو جاتی ہیں جس طرح طلوع آفتاب سے رات کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔ اس سے نہ ارباب شریعت کی خدائی مسندیں باقی رہتی ہیں نہ ہادیانِ طریقت کی الوہیاتی عظمتیں۔ ظاہر ہے کہ یہ حضرات اسے کسی صورت میں بھی

گوارا نہیں کر سکتے۔ حکومت کی لذت تو ایسی بلا ہے کہ تتلیوں کا میت اپنی جمعداری نہیں چھوڑنا چاہتا۔ اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ حضرات اپنے اس قسم کے اقتدار کو آسانی سے چھوڑ دیں جس کا تسلط جسموں کے بجائے دل اور دماغ پر ہو۔ اور جسے قائم کرنے اور استوار رکھنے کے لئے نہ فوج اور پولیس کی ضرورت ہو۔ نہ گولہ بارود کی حاجت۔ لوگ انہیں سجدے بھی کریں اور نذرانے بھی پیش کریں۔ گالیاں بھی کھائیں اور پاؤں بھی دبائیں۔ ان کا ہر حکم خدا کا حکم اور ہر فیصلہ رسول کا فیصلہ مانا جائے جس کی علانیہ خلاف ورزی تو ایک طرف، دل میں بھی اس کے خلاف ذرا سی گرانی، انسان کو دنیا میں روسیاہ اور قیامت میں جہنم کا ایندھن بنا دے۔ کہیے کہ اس قسم کی حکومت و سطوت اور عزت و عظمت کو کون آسانی سے چھوڑنے پر آمادہ ہو سکتا ہے؟ اگر آپ کوئی تحریک اس قسم کی پیش کریں جس میں خدا کے ساتھ ان نمایندگانِ خدا کی قوت کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ مطمئن رہتے ہیں اس لئے کہ ایسی تحریک اور اس قسم کے مذہب میں خدا کا نام محض تبرکاً لیا جاتا ہے۔ عملی اقتدار و اختیار سب انہی نائبینِ خدا کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس قسم کے نظام کی طرف دعوت دے جس میں حکمرانی صرف خدا کے قانون کی ہو تو یہ اس کے تصور تک کو برداشت نہیں کر سکتے۔

## اکیلے خدا کی اطاعت نہیں!

وَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحۡدَہُ اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ (۳۹/۴۵) جب ان لوگوں کے سامنے جو مستقبل کی زندگی پر ایمان نہیں رکھتے اور جن کے پیشِ نظر صرف اپنا مفاد عاجلہ ہوتا ہے) تنہا خدا کا نام لیا جائے۔ یعنی ان سے کہا جائے کہ اطاعت صرف خدا کے قانون کی ہے اور کسی کی نہیں تو ان کے دل غم و غصہ سے طلسم پیچ و تاب بن جاتے ہیں۔ وَ اِذَا ذُکِرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِذَا ہُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ (۳۹/۴۵) اور جب خدا کے سوا اوروں کا نام لیا جائے تو خوشی سے ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ وَلَّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِہِمۡ نُفُوۡرًا (۱۷/۴۶)، تنہا خدا کا نام سن کر یہ نفرت و انتقام کے جذبات سے مغلوب ہو کر منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ وَمَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُہُمۡ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ہُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ۔ (۱۲/۱۰۶) ان میں سے اکثر خدا پر ایمان اس طرح لاتے ہیں کہ اس کے ساتھ شرک بھی کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ایمان کا تو تقاضا ہی یہ ہے کہ فَادۡعُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ (۴۰/۱۴)، خدا کو پکارو تو اس طرح کہ فرماں پذیری اور اطاعت گذاری کے تمام لوازم و تضمنات خالصتہً اسی کے قانون کے لئے مختص ہو جائیں۔ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ (۴۰/۱۴)، خواہ مخالفین یعنی توحید کے منکرین کو یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گذرے۔

## سرمایہ داروں کی طرف سے مخالفت

مذہبی پیشوائیت سے آگے بڑھیے تو قرآنی نظام کی بطش شدید۔ اس کی محکم گرفت۔ نظامِ سرمایہ داری پر پڑتی ہے۔ اس میں نہ کسی لیڈر کی لیڈری باقی رہتی ہے نہ زمیندار کی زمینداری۔ نہ جاگیردار کی جاگیرداری قائم رہتی ہے، نہ کارخانہ دار کی کرخنداری۔ نہ کسی کے پاس قارون کے خزانے رہتے ہیں نہ شداد کا بہشت۔ اس میں اللہ کے عطا کردہ رزق کے سرچشمے اللہ کے بندوں کی ضروریات کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام قوتیں جو رزق کے سرچشموں پر سانپ بن کر بیٹھی ہوتی ہیں اس آواز کو دبانے کے لئے متحد و منظم ہو جاتی ہیں جو قرآنی

نظام کو متشکل کرنے کے لئے اٹھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے کہا ہے کہ خدا کے نظامِ ربوبیت کے قیام کے لئے جب اور جہاں کوئی انقلابی آواز اٹھی، مترفین کے طبقہ کی طرف سے اس کی مخالفت سب سے پہلے ہوئی۔ وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْھَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ کٰفِرُوْنَ (۳۴/۳۴) یہ تاریخ کی بین حقیقت ہے کہ دنیا کی کسی قوم کی طرف بھی خدائی انقلاب کا پہنچانے والا کوئی ایسا نہیں آیا جس کی مخالفت اس قوم کے سرمایہ دار طبقہ کی طرف سے نہ ہوئی ہو۔ اور انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ ہم تمہارے نظام کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ مترفین کا طبقہ، باایں ہمہ سازوبراق اور قوت ودولت، اس انقلابی آواز کے مقابلہ میں نکھر کر سامنے نہیں آتا۔ یہ ہمیشہ مذہبی پیشوائیت کو آگے بڑھاتا ہے۔ ہر فرعون، صاحبِ ضربِ کلیم کے مقابلے کے لئے ہامان کے لاؤلشکر کو میدان میں بھیجتا ہے۔ انقلابِ خداوندی کی یہ آواز علم وبصیرت اور دلائل وبراہین کی آواز ہوتی ہے۔ دھاندلی اور جہالت کی آواز نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کی مخالفت بھی (جیسے کرنی ہو) علم وبصیرت اور دلائل وبراہین سے کرنی چاہیئے۔ لیکن یہ نظام ایسے واضح حقائق کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے، کہ اس کے خلاف کسی کو دلیل وبرہان مل ہی نہیں سکتی۔ وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ لَا بُرْھَانَ لَہٗ (۲۳/۱۱۷)۔ لہٰذا جب مذہبی پیشوائیت سرمایہ داری کی سپر بن کر اس انقلابی آواز کے مقابلے کے لئے میدان میں آتی ہے تو ان کے پاس اس کے تمام دلائل کا ایک ہی جواب ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ مَا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ (۲۳/۲۴)

## اسلاف پرستی

ہم نے اپنے اسلاف سے ایسی کوئی بات نہیں سنی۔ اور جب وحیِ خداوندی کی طرف سے اس کا یہ جواب ملتا ہے کہ اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَھْتَدُوْنَ (۲/۱۷۰)۔ تو وہ عوام کے جذبات کو یہ کہہ کر مشتعل کر دیتے ہیں کہ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ (۲۶/۲۵) کیا تم سنتے نہیں ہو کہ یہ تمہارے اسلاف کے متعلق کیا کہتا ہے؛ نظامِ سرمایہ داری کے یہ مقدس محافظ' یہ کہہ کر عوام کے جذبات کو بھڑکاتے ہیں اور پھر، انقلاب کی آواز بلند کرنے والوں کے خلاف ہر قسم کے کذب وافتراء اور تہمت تراشی ودروغ بافی سے کام لے کر عجیب وغریب من گھڑت باتیں ان کی طرف منسوب کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگوں کی توجہ اصل سوال کی طرف آنے ہی نہ پائے۔ خود میرے لئے یہ تجربہ بالکل نیا اور حیرت انگیز تھا جیسا میں نے پہلے بھی کہا ہے۔ میں نے شروع سے اس کی شدت سے احتیاط برتی ہے کہ قرآن کی اس آواز میں جو طلوعِ اسلام کی طرف سے بلند کی جارہی ہے، کہیں فرقہ بندی اور گروہ سازی کا شائبہ تک نہ آنے پائے۔ لیکن قرآنی نظامِ ربوبیت کے مخالفین کی طرف سے سب سے پہلی آواز جو بلند ہوئی وہ یہی تھی کہ لو! اب ایک نیا فرقہ پیدا

## تین نمازیں اور نوروزے

ہوگیا۔ (یعنی پرانے فرقے سب ٹھیک ہیں۔ ان کے خلاف کوئی اعتراض نہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اُن فرقوں کے وجود کو "اسلامی" دستورِ پاکستان میں آئینی طور پر تسلیم کرایا گیا ہے۔ لیکن نیا فرقہ برداشت نہیں کیا جاسکتا؟) اب ان کے سامنے یہ سوال آیا کہ اس آواز کے بلند کرنے والوں کو فرقہ قرار کیسے دیا جائے کیونکہ یہ تو خود فرقہ پرستی کو شرک قرار دیتے تھے۔ اس کا طریق بہت آسان تھا جب انسان جھوٹ بولنے پر آجائے تو اس کے لئے کوئی بات ہی

مشکل نہیں رہتی۔ آپ کو معلوم ہے کہ مختلف فرقوں کی پہچان بالعموم کس چیز سے ہوتی ہے؟ طریقِ نماز کے اختلاف سے۔ (آپ اس نقطہ پر غور کیجئے کہ قرآن نے جو کہا تھا کہ نظامِ صلوٰۃ کی وحدت سے دین کی وحدت قائم رہتی ہے یہ نہ رہے تو دین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَہُمْ ..... (۳۰/۳۱) تو یہ کتنی بڑی حقیقت کی طرف اشارہ تھا۔) بہرحال، فرقوں کی پہچان بالعموم نماز کے اختلاف سے ہوتی ہے جب قرآنی نظام کے مخالفین نے اس کے داعیوں پر ایک فرقہ کا لیبل لگایا تو ضروری ٹھہرا کہ وہ مشہور کریں کہ ان کی نماز، باقی تمام فرقوں کی نماز سے مختلف ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ پراپیگنڈا کس انداز سے کیا جاتا ہے؟ اس کی تفصیل بڑی دل چسپ ہے۔ میں گذشتہ موسم گرما میں تبدیلیٔ آب ہوا کے لئے سوات کے علاقہ میں گیا تھا۔ اس سے قبل، اس علاقہ میں میرا تعارف کہیں خال خال تھا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ میں جہاں گیا، مجھ سے دو چار روز پہلے طائرانِ پیش رس وہاں پہنچ جاتے اور لوگوں سے کہتے کہ ایک نئے فرقے کا بانی تمہارے ہاں آ رہا ہے۔ ان کے ہاں تین نمازیں ہیں۔ ہر نماز میں ایک رکعت۔ اور ہر رکعت میں ایک سجدہ۔ اور روزے بھی ان کے ہاں نو ہی دن کے ہیں۔ چنانچہ میرے وہاں پہنچنے پر لوگ دُور دُور سے آتے اور چپکے ہی چپکے دیکھتے کہ میں نماز کس طرح پڑھتا ہوں۔ جب وہ اُن سے جا کر کہتے کہ یہ تو ہماری ہی طرح نماز پڑھتا ہے، تو وہ اِن سے کہتے کہ نہیں! یہ باہر اور قسم کی نماز پڑھتا ہے اور کمرے کے اندر اور قسم کی۔ مجھے یہ باتیں ان لوگوں نے بتائیں جو آہستہ آہستہ میرے خیالات سے واقف ہو کر بعد میں میرے پاس آنے لگے۔

یہ ہے برادران! قرآنی نظامِ ربوبیت کے مخالفین کے پراپیگنڈا کی پہلی شق۔ اس کی دوسری شق اس سے بھی زیادہ شدید اور نازک ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ جب کسی مسلمان سے کہا جائے کہ فلاں شخص (خاکم بدہن) حضورِ رسالتمآبؐ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتا ہے تو وہ کس طرح آگ بھبوکا ہو جاتا ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ وہ کون شقی القلب ہے کہ حضورؐ کی شان میں گستاخی سے اُس کا خون نہ کھولنے لگ جائے (یہ الگ بات ہے کہ اس قسم کی دریدہ دہنی کا موثر علاج کیا ہے) یہ مخالفینِ نظامِ قرآنی میرے متعلق عوام میں مشہور کرتے رہتے ہیں کہ یہ شخص (معاذ اللہ) منکرِ شانِ رسالت ہے۔ یہ رسول اللہؐ کو ایک ہرکارہ سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک سیرتِ نبی اکرمؐ کی کچھ اہمیت نہیں۔ یہ سب کچھ اس شخص کی بابت کہا جاتا ہے جس کی سیرتِ نبویؐ پر ہزار صفحہ کی ضخیم کتاب (معراج انسانیت) سینکڑوں برگشتہ نوجوانوں کو شمعِ رسالت کا پروانہ بنا چکی ہے۔ اس ضمن میں ان کے پراپیگنڈہ کا ایک اور نشتر یہ ہے کہ یہ شخص منکرِ حدیث ہے۔ یہ آواز آپ کو فضا میں ہر طرف پھیلی ہوئی ملے گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے ہاں ایک طبقہ متشددین فی الحدیث کا ہے جو کتبِ روایات کو قرآن کی مثل قرار دیتا ہے۔ ان کے نزدیک تو امام ابو حنیفہؒ بھی منکرِ حدیث تھے۔ اس لئے یہ حضرات اگر اس بنا پر کہ میرا عقیدہ اُن کے عقیدہ کے مطابق کیوں نہیں، مجھ پر اعتراض کریں تو مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں (بشرطیکہ وہ اس باب میں میری طرف وہی کچھ منسوب کریں

**منکرِ شانِ رسالت!!**

**مُنکرِ حدیث**

جو میں کہتا ہوں، لیکن ستم ظریفی تو یہ ہے کہ میرے منکرِ حدیث ہونے کا سب سے زیادہ ڈھنڈورا وہ لوگ پیٹتے ہیں جو حدیث کے متعلق وہی کچھ کہتے ہیں جو میں کہتا ہوں۔ بلکہ ایک جہت سے اس سے بھی کچھ زیادہ وہ رسول اللہؐ اور صحابہؓ کبارؓ کے متعلق ایسی باتیں کہتے ہیں جن کی جرأت میں کبھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو سب سے بڑے حدیث کے ماننے والے اور مجھے منکرِ حدیث مشہور کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ سنیئے۔ کچھ عرصہ کی بات ہے۔ میرے ہاں ایک صاحب آئے اور حدیث کے متعلق باتیں کرتے کرتے کہنے لگے کہ تم رسول اللہؐ کی اطاعت دائمی اور ابدی نہیں مانتے۔ تم کہتے ہو کہ حضورؐ کے احکام محض وقتی اطاعت کے لئے تھے۔ میں نے کہا کہ آپ پہلے یہ سن لیجئے کہ اس باب میں میرا نظریہ کیا ہے۔ اس کے بعد فرمایئے کہ آپ کا اطمینان ہوا یا نہیں (مجھے معلوم تھا کہ وہ کس جماعت سے متعلق ہیں) چنانچہ میں نے ایک کتاب اٹھائی اور اس میں سے انہیں یہ عبارت پڑھ کر سنائی:

> یہ حقیقت یقیناً ناقابلِ انکار ہے کہ شارع نے غایت درجہ کی حکمت اور کمال درجہ کے علم سے کام لے کر اپنے احکام کی بجا آوری کے لئے زیادہ تر ایسی ہی صورتیں تجویز کی ہیں جو تمام زمانوں اور تمام مقامات اور تمام حالات میں اس کے مقصد کو پورا کرتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بکثرت جزئیات ایسے بھی ہیں جن میں تغیر حالات کے لحاظ سے احکام میں تغیر ہونا ضروری ہے۔ جو حالات عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہؓ میں عرب اور دنیائے اسلام کے تھے لازم نہیں کہ وہی حالات ہر زمانے اور ہر ملک کے ہوں۔ لہٰذا احکامِ اسلامی پر عمل کرنے کی جو صورتیں ان حالات میں اختیار کی گئی تھیں ان کو ہو بہو تمام زمانوں اور تمام حالات میں قائم رکھنا اور حکم کے لحاظ سے ان میں کسی قسم کا رد و بدل نہ کرنا ایک طرح کی رسم پرستی ہے جس کو روحِ اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں۔

یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ کیا اس عقیدہ کے بعد بھی آپ کے منکرِ حدیث ہونے میں کوئی شبہ باقی رہ سکتا ہے؟ وہ اسی ضمن میں کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے کہ میں نے جلدی سے کتاب اُلٹ کر انہیں دکھائی تو اس پر لکھا تھا۔ "تفہیمات (حصہ دوم) ابوالاعلیٰ مودودی۔"

اس کے بعد میں نے ان سے صرف اتنا کہا کہ یہ چیز اسی ایک شق تک ہی محدود نہیں۔ حدیث کے متعلق جو اعتراض بھی آپ مجھ پر وارد کریں میں اس کی تائید میں اسی قسم کے اقتباسات ان حضرات کی تحریروں سے آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔

وہ اس کے بعد کچھ کھسیانے سے ہو کر چلے گئے۔ لیکن دوسرے دن پھر حسبِ معمول ہماری مخالفت میں سرگرم جہاد تھے۔ یہ ہے برادران! ان حضرات کی مخالفت کی کیفیت۔ جو درحقیقت مخالفت تو ہیں قرآنی نظامِ ربوبیت کے جس میں نہ ان حضرات کی سیادت باقی رہتی ہے نہ ان کے نفتوں سے پروان چڑھنے والے سرمایہ دار طبقہ کی خون آشامیت۔ لیکن چونکہ یہ کھلے بند دل ایسا کہنے کی جرأت نہیں رکھتے اس لئے وہ ان غلط بیانیوں سے کام لے کر لوگوں کو ہم سے متنفر کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ ہماری آواز ہی نہ سُنیں۔ دکھ انہیں یہ ہے کہ ہم قرآن کا وہ نظام کیوں پیش کرتے ہیں جو سرمایہ داری کو ختم کر دیتا ہے لیکن وہ سپر ڈھونڈتے ہیں نام لگا

رسالت اور عظمتِ اسلاف کی۔ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ ان لوگوں کی طرف سے ہمیشہ یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ جب حضرت موسیٰؑ فرعون کے پاس گئے کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنے پنجۂ استبداد سے رہا کر دے۔ تو وہ بجائے اس کے کہ حضرت موسیٰ کی بات کا جواب دیتا اُس نے ان سے کہا کہ یہ بتاؤ کہ ہمارے اسلاف کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ (مَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ۲۰) مقصد صرف یہ تھا کہ جب یہ اُن کے خلاف کچھ کہیں گے تو میں فوراً عوام میں مشہور کر دوں گا کہ یہ تمہارے اسلاف کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ اس طرح اُن کی توجہ دوسری طرف منتقل ہو جائے گی اور اصل سوال غت بود ہو جائے گا۔ یہی کچھ شروع سے ہوتا چلا آرہا ہے اور یہی کچھ آج ہو رہا ہے۔

ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریف پنجہ شکن نئے

وہی فطرتِ اسد اللّٰہی وہی مرحبی وہی عنتری

* * *

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر مختصر الفاظ میں واضح کر دیا جائے کہ طلوع اسلام کا مسلک کیا ہے اور مقصد کیا تاکہ وہ سعید روحیں جو حقیقت کی متلاشی ہوں انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم کہتے کیا ہیں؛ ہمارا مسلک یہ ہے کہ

## ہمارا مسلک

(۱) دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں سے خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرائے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کی محکومی اور غلامی میں نہ رہے۔ خواہ یہ غلامی ذہنی اور فکری ہو اور خواہ طبعی اور اقتصادی۔

(۲) قوانین خداوندی کی اطاعت ایک نظام کی رُو سے ہو سکتی ہے جسے استخلاف فی الارض (یا نظامِ مملکت) کہتے ہیں قرآن کی رُو سے استخلاف فی الارض کے بغیر دین کا تمکن ہو ہی نہیں سکتا۔

(۳) قرآن نے (بجز مستثنیات) دین کے اصولی قوانین دیئے ہیں اور اسے اس نظام پر چھوڑا ہے کہ وہ ان اصولوں کی روشنی میں اپنے وقت کے تقاضوں کے مطابق جزئیات خود متعین کرے۔

(۴) رسول اللہؐ نے سب سے پہلے نظام قرآنی قائم کیا اور اپنے رفقائے کار (صحابہ کبارؓ) کے مشورہ سے قرآن کے اصولی احکام کی جزئیات مرتب فرمائیں۔

(۵) رسولؐ اللہ کے بعد دین کا یہی نظام، حضورؐ کے خلفائے راشدینؓ نے جاری رکھا جو امورِ ملت کو ملت کے مشورہ سے سرانجام دیتے تھے۔ قرآن کے جن اصولوں کی جزئیات اس سے پہلے متعین نہیں ہوئی تھیں، انہوں نے ان کا تعین کیا۔ جن میں کسی رد و بدل کی ضرورت تھی ان میں ضروری تغیر و تبدل کیا۔ جن میں ایسی ضرورت نہیں تھی انہیں علیٰ حالہٖ باقی رکھا۔

(۶) بد قسمتی سے خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہو گیا اور دین کا قرآنی نظام باقی نہ رہا۔ اس کے

امت میں انتشار پیدا ہو گیا جس میں ہم اس وقت تک مبتلا ہیں۔ اب کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے اسی انداز کا نظام قائم کیا جائے جو اُمت کو قرآن کے مطابق چلائے۔

(۷) جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہوتا، اُمت کے مختلف فرقے، مختلف جزئیات پر جس جس انداز سے عمل پیرا ہیں، کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں کسی قسم کا ردو بدل کرے۔ یہ حق صرف قرآنی نظام کو پہنچتا ہے کہ وہ ان اختلافات کو مٹا کر پھر سے اُمت میں وحدت پیدا کرے۔ اس دوران میں اتنا ہی کیا جا سکتا ہے کہ دین کے اس تصور کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے اور ہم میں جو عقائد و رسومات ایسی رائج ہو چکی ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں، ان کی طرف توجہ دلائی جائے تاکہ جو لوگ قرآن کے مطابق زندگی بسر کرنے کا جذبہ اپنے اندر رکھتے ہوں وہ اپنی اصلاح کرتے چلے جائیں۔

(۸) قرآن تمام نوع انسانی کے لئے واحد اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کے ساتھ وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ لہذا نہ قرآن کے بعد خدا کی طرف سے کوئی اور کتاب آسکتی ہے نہ رسول اللہ کے بعد کوئی اور نبی یا رسول۔

(۹) قرآن کا ہر دعویٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء۔ قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے زمانے کے علوم و فنون جس حد تک ترقی کر چکے ہیں وہ سب انسان کے سامنے ہوں۔ اور چونکہ قرآن کا ارشاد ہے کہ یہ تمام کائنات، انسان کے لئے تابع تسخیر کر رکھی ہے، اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر لاینفک ہے۔

(۱۰) نبی اکرمؐ کی سیرت مقدسہ، شرف انسانیت کی معراجِ کبریٰ کی مظہر تھی۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری کتب روایات و تاریخ میں ایسی باتیں شامل ہو گئی ہیں جن سے حضورؐ کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ آپ کی سیرت طیبہ کا جو حصہ قرآن کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی اور یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصہ جو قرآن کے باہر ہے سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضورؐ پر کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے۔ تو وہ بات ہمارے نزدیک دشمنی ہے اور حضورؐ کی طرف غلط منسوب۔ ضرورت ہے کہ سیرت نبوی کے صحن چمن سے ان کانٹوں کو الگ کر دیا جائے۔ جو روایات نہ قرآن کے خلاف ہیں اور نہ ہی ان سے حضورؐ کی سیرت مقدسہ پر کسی قسم کا حرف آتا ہے انہیں ہم صحیح مانتے ہیں۔

(۱۱) ہم دین میں فرقہ سازی کو شرک سمجھتے ہیں اس لئے ہم کوئی فرقہ پیدا نہیں کرنا چاہتے۔ نہ ہی ہم نے کوئی نئی قسم کی نماز ایجاد کی ہے نہ روزوں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ نو دن کے ہیں۔ احکام اسلامی کے متعلق البتہ ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ ان کی پابندی محض ایک رسم کے طور پر نہیں کرنی چاہیئے بلکہ ان کی روح پر بھی نگاہ رکھنی چاہیئے۔

(۱۲) قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ انسان کی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشو و نما ہو جائے تاکہ نوع انسانی اس زندگی میں سر اٹھا کر چلنے، اور اس کے بعد کی زندگی میں شرف انسانیت کے باقی مراحل طے کرنے کے قابل ہو سکے۔

(۳) قرآنی نظام میں تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری معاشرہ پر ہوتی ہے۔ اس اہم فریضہ کی ادائیگی کیلئے ضروری ہے کہ وسائلِ پیداوار معاشرہ کی تحویل میں رہیں نہ کہ افراد کی ذاتی ملکیت میں۔ اس میں معاشرہ کوئی دخل نہ دے سکے۔ یاد رہے کہ یہ تصور کمیونزم کے تصور سے یکسر مختلف ہے جس میں انسان کی طبعی زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی کا تصور ہی نہیں ہوتا۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن کا نظامِ ربوبیت نہ سرمایہ داروں کے لئے خوش آیند ہو سکتا ہے نہ کمیونسٹوں کے لئے۔

یہ ہیں برادران! مختصر الفاظ میں دین کے متعلق وہ نظریات و تصورات جنہیں میں ایک عرصے سے قوم کے سامنے پیش کرتا چلا آرہا ہوں۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ ملک میں ایسی فضا تیار کی جائے جو قرآنی نظام کی تشکیل کے لئے سازگار ہو۔ اور جب اس نظام کی ابتدا اس خطۂ زمین میں ہو جائے تو پھر اس کی حدود کو وسیع کرتے جائیں تاکہ اس طرح آہستہ آہستہ ساری دنیا زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے۔ اور جس مقصد کے لئے قرآن دنیا میں آیا تھا وہ مقصد پورا ہو جائے۔

یہ ہے ہمارا مسلک اور مقصد جسے ہم برسوں سے دہراتے چلے آرہے ہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہماری طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ مخالفین کا پراپیگنڈا ہے جو خاص مقصد کے لئے کیا جا رہا ہے۔

☆☆☆

## فکری طریق

اب برادران! مجھے چند الفاظ اس طریق کے متعلق عرض کرنے ہیں جو میں نے اس تحریک کو عام کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں کہ دیگر ممالکِ اسلامیہ کو چھوڑیئے خود ہندوستان میں گذشتہ ایک صدی میں مسلمانوں کی متعدد تحریکیں اٹھیں۔ ہر تحریک کا آغاز اس جوش و خروش اور ولولہ و طنطنہ سے ہوتا جیسے کوئی سیلاب بلا امنڈتے چلا آرہا ہو۔ ایسا دکھائی دیتا کہ یہ تحریک مخالفت کے ہر سنگِ گراں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گی اور اسی برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھتی ہوئی اپنی منزل تک پہنچ کر دم لے گی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد نظر آتا کہ وہ تحریک یوں حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی۔ "كَأَنْ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَذْكُورًا"۔ ان تحریکوں کے مقاصد کی بلندی یا ان میں شریک ہونے والوں کے حسنِ نیت میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے اس طرح ناکام رہ جانے کی وجہ یہ تھی کہ ان تحریکوں کی بنیادیں خالص جذبات پر رکھی گئی تھیں جن میں فکر و تدبر کا دخل نہیں تھا۔ خالی جذبات پر ابھری ہوئی تحریکیں درد کی طرح اٹھتی اور آنسوؤں کی طرح بیٹھ جایا کرتی ہیں۔ قرآن نے اپنی تحریک کی بنیاد فکر و شعور پر رکھی ہے۔ وہ انسان کی فکری صلاحیتوں کو ابھارتا ہے۔ انہیں سوچنے اور غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ان کی عقل و فکر (Reason) کو اپیل کرتا اور دلیل و برہان کی رو سے ان کی نگاہ میں آہستہ آہستہ تبدیلی پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ جب وہ اس طرح اس تحریک سے علیٰ وجہ البصیرت ہم آہنگ ہو جاتے ہیں تو پھر انہیں آگے قدم بڑھانے کی دعوت دیتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ انسان جو قدم پورے غور و فکر کے بعد علیٰ وجہ البصیرت آگے بڑھائے، وہ اسے پھر پیچھے نہیں ہٹایا کرتا۔

چونکہ ہماری تحریک کی بنیادیں قرآنی حقائق پر استوار ہیں اور اس کا مقصد قرآنی نظام کی تشکیل ہے، اس لئے اس تحریک کے عام کرنے کے لئے میں نے طریق بھی وہی اختیار کیا ہے جسے قرآن تجویز کرتا ہے۔ یعنی فکری طریق عمل میں بھی ہر ایک سے یہ بات یہی کہتا ہوں کہ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۔ میں آپ سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى تم خدا کے لئے ایک ایک، دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا (۳۴/۴۶)۔ اس کے بعد سوچو! اگر تم نے سوچنا شروع کر دیا کہ انسانیت کی منزل کونسی ہے اور ہم کس راستے پر چلے جا رہے ہیں تو تم یقیناً قرآن کی دعوت سے متفق ہو جاؤ گے۔ یہ ہے برادران! وہ طریق جس سے میں گذشتہ بیس پچیس برس سے قرآنی فکر کی نشر و اشاعت سے، ارباب فکر و نظر کو دعوت غور و فکر دیتا اور یوں ایک ایک کر کے اپنے رفقائے سفر اکٹھے کرتا چلا جا رہا ہوں،

غزل سرائیم و پیغام آشنا گوئیم

بایں بہانہ دریں بزم آشنا جوئیم

جو احباب اس طرح ذہنی طور پر اس فکر سے ہم آہنگ ہو جائیں ان کے سامنے اگلا مرحلہ یہ آتا ہے کہ جن حقائق کو انہوں نے

**ذہنی کے بعد قلبی تبدیلی**

ذہنی طور پر صحیح سمجھا ہے ان کے مطابق اپنے قلب میں بھی تبدیلی پیدا کریں۔ اس لئے کہ قرآن اپنی تحریک کی کامیابی کے لئے صرف ذہنی انقلاب ہی کو کافی نہیں سمجھتا۔ وہ اس کے ساتھ قلبی تبدیلی کو بھی ضروری قرار دیتا ہے۔ اسی کا نام سیرت کی پختگی یا انسانی ذات کا استحکام ہے۔ وہ اس طرح تعمیر کردہ نگاہ سے ایسے افراد تیار کرتا ہے جو قرآنی نظام کی بنیادوں کو استوار کریں۔ وہ ان کے داخلی انقلاب سے، خارجی انقلاب عمل میں لاتا ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ یہ خارجی انقلاب درحقیقت ان کے داخلی انقلاب کا خارجی مظہر ہوتا ہے۔ وہ اس حقیقت کو عملاً سامنے لاتا ہے کہ

یکے منزل را گئی دانی زراہ | قیمت ہر شے زانداز نگاہ

نوع دیگر بیں جہاں دیگر شود | ایں زمین و آسمان دیگر شود

لیکن برادران! انقلاب کا یہ طریقہ بڑا صبر آزما اور ہمت طلب ہوتا ہے۔ اس میں فرہادی استقامت اور کوہکنی استقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں قدم قدم پر پھر اسنے کی طرح خاموشی سے جل جانے اور اُف تک نہ کرنے کی منزلیں آتی ہیں۔

**صبر آزما مراحل**

اس میں نہ نمائش کے مواقع ہوتے ہیں نہ نمود کی گنجائش۔ نہ ذاتی صلہ کی امید نہ ستائش کی توقع۔ یہ راستہ لمبا بھی ہوتا ہے اور پُرخار بھی۔ غیر مانوس بھی ہوتا ہے اور آبلہ انگیز بھی۔ اس میں لاکھ جی گھبرائے اور ہزار طبیعت اکتائے، (Short Cut) کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس طریق انقلاب کے جاں گسل مراحل کی صبر آزمائی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ انقلاب قرآنی کے اولین داعی، حضور نبی اکرمؐ، کی عمر نبوت صرف تیئیس سال تھی۔ اور یہ تیئیس سال کی مدت کو قیامت تک پھیلئے اور پھر دیکھئے کہ اس کا ایک ایک سانس کس طرح صدیوں پر بھاری تھا۔ لیکن ان تیئیس سال میں سے تیرہ سال کا عرصہ (یعنی قریب قریب چھپن فی صدی) اسی داخلی انقلاب میں صرف ہو گیا۔ غور کیجئے کہ کتنی بڑی ہے یہ قیمت جسے قرآنی

انقلاب مانگتا ہے۔ لیکن اس کے ادا کئے بغیر چارہ ہی نہیں۔ اس راہ میں صبر طلبیِ عشق، بیتابیِ تمنا کی کوئی پرواہ نہیں کرتی۔ اس لئے کہ فطرت اپنے قوانین میں (جن کی رُو سے اُس نے تخم کاری اور ثمرریزی کے درمیان ایک متعین وقفہ رکھا ہے) کسی کے لئے تبدیلی نہیں کیا کرتی۔

حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز
سرشت اس کی ہے مشکل کشی جفا طلبی

چنانچہ قرآن اس پر شاہد ہے کہ خود نبی اکرمؐ کے دل میں بھی اس کا خیال پیدا ہوتا تھا کہ نہ معلوم ہماری یہ تگ و تاز میری زندگی میں ثمر بار ہوسکے گی یا نہیں۔ اس کے جواب میں آپ سے صاف کہدیا گیا کہ اِنْ مَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ۔ ان مخالفین کی تباہی و بربادی کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے (کہ ایسا ہو کر رہے گا) ہوسکتا ہے کہ وہ تیری زندگی میں سامنے آجائے۔ اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تیری وفات کے بعد ظہور میں آئے۔ لیکن تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ کب ظہور میں آتا ہے۔ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُ (۱۳/۴۰) تمہارے ذمہ یہی ہے کہ تم اس پیغام کو عام کرتے جاؤ۔ یہ دیکھنا ہمارے ذمے ہے کہ اس سعی و عمل کے نتائج نمودار کب ہوتے ہیں؛ کسان کا کام ہل جوتنا۔ تخم ریزی کرنا۔ کھیت کو پانی دینا۔ اسکی رکھوالی کرنا ہے۔ اس کی کھیتی پکے گی کب؟ یہ چیز ہمارے قانونِ مکافات سے متعلق ہے جس پر کسان کی عجلت اور بے تابی کوئی اثر نہیں کرسکتی۔

یہ ہے برادران! انقلاب آفرینی کا وہ بظاہر خاموش لیکن بہ باطن تلاطم انگیز طریقہ جسے قرآن اپنی تحریک کی کامیابی کے لئے تجویز کرتا ہے۔ وہ طریقہ جس میں محنت طلبی اور شکیب آزمائی کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ

سکوتِ شام سے تا نغمۂ سحر گاہی
ہزار مرحلہ ہائے فغانِ نیم شبی
کشاکشِ زم و گرما۔ تپ و تراش و خراش
زخاکِ تیرہ دروں تا بہ شیشۂ حلبی
مقامِ بست و کشاد و فشار و سوز و کشید
میانِ قطرۂ نیسان و آتشِ عنبی

لیکن اس کے ساتھ اسے بھی یاد رکھئے کہ

اسی کشاکشِ پیہم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے رازِ تب و تابِ ملّتِ عربی

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ جن خوش بخت انسانوں نے دل کی پوری جمعیت سے کہدیا

کہ ہمارا نشو و نما دینے والا اللہ ہے۔ اور پھر اپنے اس دعوے پر جم کر کھڑے ہوگئے۔ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا۔ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم کسی قسم کا خوف نہ کھاؤ۔ بالکل نہ گھبراؤ۔ وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (۴۱/۳۰)۔ تم اس جنت کی بشارتیں لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

یہی ہے برادران! وہ طریقہ جسے خود میں نے اپنے لئے اختیار کیا اور جس کی طرف میں دوسروں کو دعوت دیتا چلا آ رہا ہوں۔ اس میں مجھے قریب بیس پچیس برس لگ گئے۔ اور اگر اس میں اس مدت کو بھی شامل کر لیا جائے جو مجھے غیر قرآنی شریعت کے دلدل اور افلاطونی تصوف کی بھول بھلیوں سے نکلنے میں لگی۔ تو اس عرصہ کی درازی کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی۔ یہ لمبا راستہ اور سفر کی تنہائی یقیناً تھکا دینے کے لئے کافی تھے۔ لیکن جس چیز نے میری ہمت کو قائم رکھا وہ اس حقیقت پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان تھا کہ اس کے سوا خودگری اور بازآفرینی کا کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں۔ جو احباب قرآنی فکر کے اس لحاظ سے میرے رفیقِ سفر بننے پر آمادگی ظاہر کرتے ہیں، میں کوشش کیا کرتا ہوں کہ یہ حقیقت ان کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو جائے کہ یہ راستہ بڑا صبر آزما اور استقامت طلب ہے جس میں خالی جذبات کی ولولہ انگیزی کچھ کام نہیں آتی۔ نہ صرف یہ کہ کچھ کام نہیں آتی بلکہ تخریبی نتائج پیدا کر دیتی ہے۔ وہ یہ سب کچھ سن کر آگے بڑھتے ہیں لیکن تجربہ نے بتایا ہے کہ ان میں سے اکثر اس حوصلہ شکن مسلک پر زیادہ دیر تک گامزن نہیں رہ سکتے۔ ان کی بیتابیٔ تمنا انہیں رہ رہ کر ہنگامہ خیزی پر اکساتی ہے۔ ان میں سے بعض تنگ آ کر میری سست روی پر طعنہ زن بھی ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ اس کے باوجود مجھے اپنی روش بدلنے پر آمادہ نہیں کر سکتے تو ان میں سے کچھ تو یہ کہہ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ

## کوئی دوسرا طریق نہیں

کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

اور بعض اپنے جذبات کی تسکین کے لئے دوسری راہیں تراش لیتے ہیں۔ مجھے نہ ان سے کوئی گلہ ہے نہ ان سے شکوہ۔ میں نے یہ داستان دہرائی اس لئے ہے کہ آپ میں سے جو احباب اپنے دل میں اس بادیہ پیمائی کا ولولہ رکھتے ہوں وہ اس مرحلے کی شکیب آزمائی کا اچھی طرح سے اندازہ کر لیں اور خوب سمجھ لیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ مشکل کام اپنے اندر انقلاب پیدا کرنا ہے۔ پہلے ذہنی انقلاب اور پھر قلبی انقلاب۔ اور جب تک وہ اس مرحلہ سے گزر نہیں جاتے، کوئی دوسرا پروگرام ان کے سامنے نہیں آ سکتا۔

اس مقام پر میں اتنا واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس طریقہ سے انقلاب آفرینی کی رفتار درحقیقت اتنی سست نہیں ہوتی جتنی سست وہ بظاہر نظر آتی ہے۔ محسوسات کی خوگر نگاہیں، گھڑی کی رفتار کو سیکنڈ کی سوئی سے دیکھنے کی عادی ہوتی ہیں جس گھڑی میں سیکنڈ (اور منٹ) کی سوئیاں نہ ہوں، صرف گھنٹے کی سوئی ہو، وہ اسے ساعتِ رواں (چلنے والی گھڑی) سمجھیں گے ہی نہیں۔ لیکن انہیں کیا معلوم کہ سیکنڈ اور منٹ کی سوئیاں نہ ہونے سے گھڑی کی رفتار پر کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہ صرف ہماری نگاہ کا قصور ہوتا ہے جو ان تیز رفتار سوئیوں کی عدم موجودگی میں گھڑی کی رفتار کو محسوس شکل میں نہ دیکھ سکے

کی وجہ سے اس کے متعلق جامد یا شکست ہونے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ اس کی شہادت خود میرے اپنے تجربہ سے مل سکتی ہے۔ میں نے اس تمام عرصہ میں جو کچھ کیا ہے، تنہا کیا ہے۔ نہ میرے پاس سامان و ذرائع تھے نہ اسباب و وسائل۔ نہ کوئی جماعت پیچھے تھی نہ فنڈ۔ نہ کوئی ہم سفیر تھے نہ ہم سفر۔ ہر طرف سے مخالفتوں کا ہجوم اور ان میں گھری ہوئی ایک ننھی سی آواز جس کے اظہار کا ذریعہ ایک ماہوار مجلہ۔ بظاہر نظر آتا تھا کہ نقار خانہ میں طوطی کی یہ آواز یونہی فضا میں گم ہو کر ضائع جا رہی ہے۔ لیکن اسی ننھی سی آواز کا اثر ہے کہ اس ارض ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اس سے متاثر نہ ہو چکا ہو۔ حتیٰ کہ موافقین تو ایک طرف مخالفین تک کی یہ حالت ہے کہ وہ اب طلوع اسلام کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ ان کی تحریر اور تقریر میں اس کے الفاظ اور اصطلاحات بلا تکلف استعمال ہوتے ہیں۔ وہ اس کے پیش کردہ دین کے تصور کو اپنا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ قرآن کی آیات کا ترجمہ بھی اسی کے اسلوب و انداز میں کرتے ہیں۔

## اس کے نتائج

یہاں تک تو لگا لائے ہیں ہم رستے پہ زاہد کو
کہ سمجھا تا ہوا اب تا درِ مے خانہ آتا ہے

اس بے سروسامانی کے باوجود، یہ تغیر یقیناً اپنی اہمیت رکھتا ہے۔

٭٭٭

بہرحال، یہ ہے قرآنی انقلاب کے لئے طریق کار کا پہلا گوشہ۔ اس کے بعد میں اس کے دوسرے گوشے کی طرف آتا ہوں جو اس پہلے گوشے سے بھی زیادہ نازک اور لطیف ہے۔ لطیف اتنا کہ بعض اوقات اسے صحیح طور پر سمجھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ گوشہ یہ ہے کہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت اور اس کے ذریعے معاشرہ میں انقلاب بغیر گروہ بندی اور پارٹی بازی کے برپا کیا جائے گا۔ چونکہ دورِ حاضرہ میں معمول یہ ہے کہ کوئی تحریک بغیر پارٹی کے وجود میں نہیں آتی اس لئے یہ بات ذرا مشکل سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ پارٹی بازی کے بغیر بھی کوئی تحریک چل سکتی ہے۔ لیکن برادران! قرآن کریم سے جو کچھ تھوڑی بہت بصیرت میں نے حاصل کی ہے اس کی روشنی میں میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ملت کے اندر تعمیری انقلاب پیدا کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ کوئی پارٹی بنائے بغیر ان میں فکری تبدیلی پیدا کرتے جائیں۔ چونکہ (جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے) یہ مسئلہ کچھ مشکل ہے اس لئے میں اس کے متعلق ذرا وضاحت سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم، غیر مسلمو کے مقابلہ میں مومنین کو ایک الگ جماعت، ایک جداگانہ اُمّت قرار دیتا ہے۔ لیکن وہ اس اُمّت کے اندر فرقہ سازی کو شرک سے تعبیر کرتا ہے۔ میں نے بعض احباب کو کہتے سنا ہے کہ قرآن مذہبی فرقہ کو شرک قرار دیتا ہے۔ سیاسی پارٹی کو شرک نہیں ٹھہراتا۔ ذرا سوچئے کہ جس اسلام میں مذہب اور سیاست دو الگ الگ شعبے ہی نہیں اس میں مذہبی فرقہ اور سیاسی پارٹی میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟ لہٰذا مذہبی فرقہ ہو یا سیاسی پارٹی دونوں تفرق فی الدین ہیں۔

## بغیر پارٹی بازی کے

پھر کہا یہ جاتا ہے کہ جو مقصد ہمارے سامنے ہے اس کے لئے اجتماعی کام کی ضرورت ہے انفرادی کوششوں سے کچھ نہیں

ہو سکتا۔ اگر پارٹی بنانا منع ہے تو یہ اجتماعی کام کس طرح سے ہو سکے گا؟ یہ اجتماعی کام منظم کوشش (Organised Effort) سے ہو سکے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ پارٹی بازی اور منظم کوشش میں فرق کیا ہے؟ اس

### منظم کوشش

فرق کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔ قرآن نے تحزّب (پارٹی بازی) کی نفسیات کو چند الفاظ میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے جہاں کہا ہے کہ کُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (۳۰/۳۲)۔ پارٹی کی عمارت تعصب کی بنیادوں پر اٹھتی اور دوسروں سے نفرت کے جذبہ پر استوار ہوتی ہے۔ ایک پارٹی کے ممبر سمجھتے یہ ہیں کہ دنیا بھر کی سعادتیں اور حسنات ان کی پارٹی میں جمع ہیں، اور پارٹی سے باہر جتنے لوگ ہیں ان میں کوئی خوبی اور نیکی نہیں۔ اس سے ان کے اپنے اندر نخوت اور تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ دوسروں کو سخت ذلت اور حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ لیکن انہی ذلیل اور حقیر لوگوں میں سے جب کوئی ان کی پارٹی میں شامل ہو جاتا ہے تو وہ ہر قسم کے شرف و مجد کا حامل بن جاتا ہے۔ پھر اس میں دنیا بھر کی خوبیاں آ جاتی ہیں۔ اگر وہ پارٹی کے ساتھ وفا شعار (Loyal) رہتا ہے تو اس کا ہر عیب ہنر دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اگر اس نے پارٹی سے قطع تعلق کر لیا تو نہ صرف یہ کہ اس کی ہر خوبی عیب بن جاتی ہے بلکہ دنیا بھر کے عیب اس کی طرف منسوب کر دیئے جاتے ہیں اور اسے جی بھر کے بدنام کیا جاتا ہے۔ یہی وہ ڈر ہے جس کی وجہ سے لوگ پارٹیوں کے ساتھ متمسک رہتے ہیں۔ اپنی پارٹی کی تقویت ہر رکن کا اولین فریضہ ہوتا ہے اور اس کے لئے ہر قسم کا جائز و ناجائز حربہ استعمال کرنا عین جہاد سمجھا جاتا ہے۔ دوسروں کی بات کتنی ہی معقول کیوں نہ ہو، وہ اسے کبھی نہیں سنتے اور اگر کبھی مجبوراً سننا پڑے تو اس کا تمسخر اڑاتے اور استہزاء کی ہنسی ہنستے ہیں۔ ان کی مجلسوں کا محبوب ترین مشغلہ دوسروں کی تذلیل و تحقیر ہوتا ہے جس میں وہ بڑی لذت لیتے ہیں۔ ان کی ساری ہمدردیاں صرف اپنی پارٹی کے ممبروں تک محدود ہوتی ہیں۔ ان سے باہر کے انسانوں سے وہ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔ وہ ان سے ملتے جلتے ہیں تو محض منافقانہ۔ اُن سے تعلقات وابستہ رکھتے ہیں تو مجبورانہ۔ ورنہ ان کا دلی تعلق صرف اپنی پارٹی کے افراد تک محدود ہوتا ہے۔ اور (My Party, Right or Wrong) یہ ہوتا ہے ان کا نصب العین۔ یہ ہیں وہ عناصر جن سے ایک پارٹی ترتیب پاتی اور قائم رہتی ہے۔ لیکن قرآنی نظام کے لئے منظم کوشش کا تصور اس سے یکسر مختلف ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے قرآنی نظام کی حقیقت کو سمجھ لیا ہے اور جن کی آرزو یہ ہے کہ یہ نظام پھر سے ملت میں متشکل ہو جائے، وہ سب سے پہلے اس کی بنیادی خصوصیات خود اپنے اندر پیدا کریں اور پھر اس نظام کے تصور کو دوسرے لوگوں تک پہنچائیں۔ اس نظام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ دنیا میں تمام افراد انسانیہ کی ضروریاتِ زندگی پوری ہوں اور ان کی مضمر انسانی صلاحیتوں کی مکمل نشو و نما ہوتی جائے۔ اس نظام کو متشکل کرنے والوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیں اور دوسروں کی نشو و نما میں اپنی ذات کی بالیدگی اور ارتقا کا راز سمجھیں۔ ظاہر ہے کہ جو افراد اس مقصد کے حصول کے لئے منظم کوشش کرنے کے لئے اٹھیں، ان میں پارٹی بازی کی لعنتوں میں سے کسی کا شائبہ تک بھی نہیں ہوگا۔ وہ دوسروں سے نفرت نہیں، ہمدردی کریں گے۔ وہ ان کی بہبودی کا سامان بہم کرتے پھریں گے۔ وہ اس میں اپنے اور پرائے کی کوئی تمیز روا نہیں رکھیں گے

وہ اپنے کام کی ابتدا بے شک کسی ایک مقام سے کریں گے لیکن پوری نوعِ انسانی ان کی برادری اور ساری دنیا ان کا گھر ہو گی۔ ان کی مساعی، خدا کی صفتِ ربّ العالمینی کی مظہر ہوں گی۔ اس میں ان کے ذمے زیادہ سے زیادہ ایثار اور قربانیاں ہوں گی اور دوسروں کے لئے بیش از بیش نفع بخشیاں اور راحت سامانیاں۔ وہ اپنی عملی زندگی سے اس حقیقت کو نمایاں کر دیں گے کہ

عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر — سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر

وحیِ حق بینندۂ سودِ ہمہ — در نگاہش سود و بہبودِ ہمہ

ان افراد کی منظم کوشش کی مثال یوں سمجھئے جیسے کسی وبائی مرض کے زمانے میں شہر کے ڈاکٹر ایک ایسوسی ایشن بنالیں تاکہ اس تباہی کا مقابلہ اجتماعی انداز سے کیا جا سکے۔ ظاہر ہے کہ ان کا اس طرح سے یکجا ہو کر منظم کوشش کرنا دوسروں سے نفرت کے لئے نہیں بلکہ ان سے ہمدردی کی خاطر ہو گا۔ وہ اگر جراثیم پھیلانے والے عناصر پر پابندیاں لگائیں گے تو اس لئے نہیں کہ انہیں ان سے دشمنی ہے بلکہ اس لئے کہ اس میں انسانیت کا بھلا ہے وہ ذخیرہ اندوزوں سے دوائیاں باہر نکلوائیں گے تو اس لئے نہیں کہ انہیں نقصان پہنچایا جائے بلکہ اس لئے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ جانیں بچائی جا سکیں۔ وہ اپنے آپ کو کبھی ان لوگوں سے الگ تصور نہیں کریں گے۔ وہ انہی میں رہیں گے۔ انہی میں چلیں پھریں گے۔ نہ انہیں اپنا حزبِ مخالف سمجھیں گے نہ خود ان کی مخالف پارٹی بنیں گے۔ لیکن منظم کوشش سے ان کی فلاح و بہبود کے کاموں میں سرگرمِ عمل رہیں گے۔ پارٹی بنائے بغیر منظم کوشش کی بیّن مثال ہمیں سرسیدؒ کی زندگی میں ملتی ہے۔ اس نے اپنے حلقۂ احباب کی رفاقت اور منظم کوشش سے ایک ایسا تعمیری کام کیا جس کی نظیر اس دور میں نہیں ملتی۔ لیکن اپنے دامن کو پارٹی بازی کی خباثت سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ میرے پیشِ نظر بھی، برادرانِ عزیز! کچھ اسی قسم کا نقشہ ہے۔ ہم میں سے جو احباب قرآنی نظام کے اس مقصدِ عظیم سے متفق ہوں وہ باہمی تعاون و تناصر سے اس تصور کو عام کرنے کے لئے منظم کوشش کریں۔ انفرادی کوشش کی مثال شیشے کے بکھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی سی ہے جن میں سے ہر ٹکڑے میں الگ الگ عکس دکھائی دیتا ہے۔ اگر انہی ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک بڑا شیشہ بنا لیا جائے تو اس میں ایک ہی عکس دکھائی دے گا۔ اس کا نام منظم کوشش ہے۔ اس میں سب سے پہلے ہر فرد کو اپنی ذات میں اس تصور کی جھلک پیدا کرنی چاہیئے جسے وہ عام کرنا چاہتا ہے۔ اس کی زندگی ایسی ہونی چاہیئے کہ ہر شخص دور سے پہچان لے کہ قرآنی فکر کو اپنے دل و دماغ پر مستولی کر لینے والوں کی سیرت ایسی ہوتی ہے۔ پھر اسی سیرت و کردار کو لے کر وہ آگے بڑھیں اور دوسروں کو سمجھائیں کہ دین کا مقصود کیا ہے اور قرآنی نظامِ ربوبیت میں معاشرہ کی شکل کیا ہو گی۔ اس میں کس طرح رزق کے سرچشمے تمام انسانوں کی ضروریات کے لئے یکساں طور پر کھلے رہیں گے اس میں کس طرح ہر فرد کی انسانی صلاحیتوں کی نشو و نما کا سامان مہیا ہو گا۔ کسی کی حق تلفی نہیں ہو گی۔ کسی پر زیادتی نہیں ہو گی۔ کوئی کسی کو لوٹے گا نہیں۔ کوئی کسی سے کچھ چھینے گا نہیں۔ ہر ایک کو جنتی آسائشیں نصیب ہوں گی اور اس طرح تمام افراد

صفاتِ خداوندی کو اپنے اندر منعکس کرتے ہوئے انسانیت کی ارتقائی منزلیں طے کرتے چلے جائیں گے۔ طوبیٰ لہم وحسن مآب۔ وہ اس فکر کو عام کرتے جائیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے کسی قسم کے ناجائز ذریعے کے استعمال کا تصور تک بھی اپنے دل میں نہ لائیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس تصور کو عام اور اس نظام کو متشکل کرنے کی کوششوں میں، ملوکیت۔ پیشوائیت اور سرمایہ دار تینوں کی طرف سے مخالفت ہوگی اور سخت مخالفت۔ لیکن وہ اس مخالفت کے مقابلہ میں بھی دامنِ حق و صداقت کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں خواہ اس میں بظاہر کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔

جو لوگ قرآنی نظام کے اس تصور سے متفق ہو کر یک جا ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ مختلف فرقوں سے نکل کر ادھر آئیں گے۔ چونکہ یہ حضرات کسی نئے فرقے میں داخل نہیں ہو رہے اس لئے وہ اپنے اپنے طریق پر نماز روزہ

**نماز روزہ**

اور دیگر اسلامی شعائر کے پابند رہیں گے۔ اس میں کسی کو دوسرے پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ جیسا کہ میں بار بار کہہ چکا ہوں، ان طریقوں میں تغیر و تبدل کا حق صرف اسلامی نظام کو ہے۔ کسی فرد یا افراد کے مجموعہ کو نہیں۔ اس طرح برادران! یہ منظم کوشش، اس تصور کو عام کرنے کا مؤثر ذریعہ بن سکے گی۔ باقی رہا یہ کہ ہمارے مخالفین آپ کی منظم کوشش کو بھی نیا فرقہ یا پارٹی قرار دے کر ہمیں بدنام کریں گے، سو ان کا تو کام ہی یہ ہے کہ ہمیں بدنام کریں، ہم ان کی زبان تھوڑا ہی پکڑ سکتے ہیں۔ سوال یہ نہیں کہ مخالفین اس کے متعلق کیا کہیں گے۔ اصل سوال یہ ہے کہ آپ اپنی سیرت و کردار اور فکر و عمل سے کیا بن کر دکھائی دیں گے۔

بعض حضرات کہا کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اس فکر کو عام بھی کر دیا تو اس سے کیا حاصل ہوگا۔ قرآن کا مقصد تو اس نظام کو عملاً متشکل کرنا ہے۔ کیا اس فکر کی عام نشر و اشاعت سے یہ نظام متشکل ہو جائے گا؟ ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ اب تو خود زمانہ کے تقاضوں نے حالات میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی ہے کہ کسی خیال کے عام کر دینے سے معاشرہ

**آئینی تبدیلی**

کا نظام خود بخود اس کے مطابق متشکل ہو جاتا ہے۔ یہ زمانہ جمہوریت کا ہے جس میں انقلاب آئینی طور پر (Constitutionally) برپا ہوتے ہیں۔ جمہوریت کے معنی یہ ہیں کہ جس خیال کے حامل زیادہ ہوں اسی کے مطابق نظام مملکت متشکل ہو جائے۔ آپ اس فکر کو عام کیجئے اور پھر دیکھئے کہ کس طرح ایک قطرۂ خون بہائے بغیر یہ انقلاب معرضِ وجود میں آجاتا ہے

ندارد عشق سامانے ولیکن تیشہ دارد
خراشد سینۂ کہسار و پاک از خونِ پرویز است

قرآنی نظام ربوبیت خود اپنے اندر اتنی قوت رکھتا ہے کہ دنیا کا کوئی اور نظام یا تصور اس کے سامنے ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے ابھی تک دنیا کے سامنے پیش ہی نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ جو حضرات اسے دوسروں کے سامنے پیش کریں وہ خود اسے اچھی طرح سمجھے ہوئے ہوں۔ اس لئے کہ تجربہ نے بتایا ہے کہ اس تحریک کو اتنا نقصان

## نادان دوست

مخالفین کے ہاتھوں سے نہیں پہنچتا جتنا اُن موافقین کی طرف سے پہنچتا ہے جو اس کی ماہیت سے خود اچھی طرح واقف نہیں ہوتے اور لوگوں سے طرح طرح کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کی یہی باتیں مخالفین کے لئے اعتراضات کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ حضرات کی، خود قرآن پر نگاہ ہو۔ ایسی نگاہ کہ اگر کبھی میں بھی غلطی سے کوئی ایسی بات کہہ دوں جو قرآن کے مطابق نہ ہو تو آپ مجھے فوراً ٹوک دیں۔ یاد رکھئے! دین میں سند اور حجت میرا بھی کوئی قول نہیں ہو سکتا۔ سند اور حجت صرف خدا کی کتاب ہو سکتی ہے۔

❁ ❁ ❁

برادران! میں نے آپ سے جو کچھ عرض کرنا تھا کر چکا۔ آخر میں میں پھر اُنہی الفاظ کو دُہراتا ہوں۔ جن سے میں نے بات شروع کی تھی۔ یعنی یہ اجتماع کس قدر مبارک اور مسعود ہے جو اس مقصد کے لئے منعقد ہوا ہے کہ سوچا جائے کہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے کیا کیا مؤثر طریق اختیار کئے جائیں تاکہ اس خطۂ زمین میں قرآن کا نظام متشکل ہو کر سامنے آجائے۔ اس ضمن میں میں اپنی طرف سے اور آپ تمام حضرات کی طرف سے، لاہور کے احباب کی خدمت میں ہدیۂ سپاس و تہنیت پیش کرتا ہوں جنہوں نے اس سب سے پہلے اجتماع کا بار اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ چہ عجب کہ ان کی یہی مختصری کوشش آئندہ چل کر ایک ایسے شجرِ طیب کا بیج ثابت ہو جس کی جڑیں پاتال میں اور شاخیں آسمان کو چھو رہی ہوں۔ کیا عجب کہ یہی مقام ہماری تاریخ میں وہ موڑ بن جائے جہاں سے کاروانِ اُمّت ایک بار پھر قرآن کے متعین کئے ہوئے جادۂ مستقیم پر گامزن ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا اپنے غلط تصورات اور ناکام نظامہائے زندگی کو آزما کر اس قدر تنگ آچکی ہے کہ وہ صحیح نظام زندگی کے لئے بصد حسرت و یاس چاروں طرف تک رہی ہے۔ آپ نے میری تالیف انسان نے کیا سوچا میں دیکھا ہوگا کہ

سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس
خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیّار
پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں
نے جدتِ گفتار ہے نے جدتِ کردار
ہیں اہلِ سیاست کے وہی کہنہ خم و پیچ
شاعر اسی افلاسِ تخیل میں گرفتار
دنیا کو ہے اس مہدیِ برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالمِ افکار

یہ مہدیِ برحق قرآنی نظام کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اگر دنیا کے سامنے اس نظام کی کرن کہیں سے بھی آگئی تو دنیا لپک کے اس کی طرف بڑھے گی۔ زمانے کے تقاضے دنیا کو خود قرآن کی طرف کشاں کشاں لئے آرہے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے جو ریسرچ اسکالرز

میرے پاس آتے ہیں ان کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کس طرح قرآنی نظام کے لئے تڑپ رہی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے لئے السابقون الاولون کی سعادت کسے حاصل ہوتی ہے۔ زمانہ اس قسم کے خوش بخت انسانوں کو آوازیں دے دیکر بلا رہا اور اُن سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ

خیز و بجام ک تشنۂ بادۂ زندگی فشاں
آتشِ خود بلند کن آتشِ ما فرونشاں

اس لئے کہ

مے کدہ تہی سبو حلقۂ خود فراموشاں
مدرسہ بلند بانگ بزمِ فسردہ آتشاں
فکرِ گرہ کشا غلام۔ دیں بر دلیلے تمام
زانکہ درونِ سینہ ہا دل ہدفے است بے نشاں

آپ حضرات کی کوششیں درخورِ ہزار تبریک و تحسین ہیں جنہوں نے اس مقصد کے لئے اپنا قدم آگے بڑھایا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہم غریب اور نادار ہیں۔ ہم بے بضاعت اور بے سروسامان ہیں۔ لیکن قرآن اس پر شاہد ہے کہ آسمانی انقلاب کی ابتدا ہمیشہ غریبوں اور ناداروں کی طرف سے ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اس انقلاب کا پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ رزق کے سرچشمے قارونوں کے ہاتھ سے چھین کر قانونِ خداوندی کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔ اس لئے قرآنی نظام کی تحریک کو سرمایہ دار طبقہ کی تائید حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا آپ اپنی بے بضاعتی سے بالکل نہ گھبرائیں

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے
ضربِ کاری ہے اگر سینے میں ہے قلبِ سلیم

آپ کے پاس تو قرآن کا وہ عصائے کلیمی ہے جو ساحرین کی نظر فریب رسیوں کو یونہی نگل جائے گا۔ آپ تو عظیم قوتوں کے مالک ہیں۔

بچشمِ کم مبیں تنہائیم را
کہ من صد کاروانِ گل در کنارم

قرآن آپ کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ

اگر یک قطرہ خوں داری اگر مشتِ پرے داری
بیا من با تو آموزم طریقِ شاہبازی را

لیکن اس حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھئے کہ قرآنی نظام کی تحریک میں السابقون الاولون کے حصے میں سختیاں ہی سختیاں

ہوتی ہیں۔ ان کے ذمے قربانیاں اور قربانیاں ہی ہوتی ہیں۔ انہیں لہو پسینہ ایک کر کے اس بیج کو بونا ہوتا ہے۔ کاٹنا پتہ نہیں کس کے نصیب میں ہو۔ لہٰذا اس راستہ میں جس قدر محنت درکار ہوگی اس کا اندازہ لگا لینا نہایت ضروری ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ

تختِ جم و دارا سر راہے نفروشند　　　این کوہِ گران است بکاہے نفروشند

با خونِ دلِ خویش حسریدن دگر آموز

آپ اسے بھی سوچ لیجئے کہ آپ اس آواز کو لے کر اٹھ تو رہے ہیں لیکن اگر آپ کی غفلت یا کم ہمتی سے یہ آواز ناکام رہ گئی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ قرآنی نظام تھوڑے عرصہ تک قائم رہا اور اس کے بعد یہ جنت آدم سے چھن گئی۔ معترضین کا کہنا یہ ہے کہ اگر اس نظام میں چلنے کی سکت ہوتی تو یہ آگے کیوں نہ بڑھتا (میں اس اعتراض کا جواب کئی مرتبہ دے چکا ہوں) صدر اول کے بعد ہماری تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ قرآنی نظام کی آواز بلند ہو رہی ہے۔ اگر یہ آواز ہماری کمزوریوں کی وجہ سے ناکام رہ گئی تو اس نظام کے متعلق سطح بین نگاہوں کا شبہ یقین میں بدل جائے گا کہ اس میں واقعی عملاً قائم ہونے اور آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں۔ اس لئے برادران! آپ سوچ لیجئے کہ اس نظام کے داعی بننے سے آپ کتنی عظیم ذمہ داری اپنے سر پر لے رہے ہیں۔ آپ کی ناکامی آپ کی ناکامی نہیں سمجھی جائے گی۔ خود اس نظام کی ناکامی قرار پا جائے گی۔ اس لئے آپ یا تو اس کے لئے قدم ہی نہ اٹھائیے۔ اور اگر قدم اٹھانا ہے تو پھر اس قدم کو پیچھے نہ ہٹائیے۔ آپ جو فیصلہ بھی کیجئے سمجھ سوچ کر کیجئے۔ محض جذبات کی بنا پر نہ کیجئے۔ یہ معاملہ بڑا نازک ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری وجہ سے قرآن کا پیغام بدنام ہو جائے۔ قرآن کا نظام تو بہر حال قائم ہو کر رہے گا۔ اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ جب اس کی تاریخ سامنے آئے تو اس میں ہمارے متعلق یہ درج ہو کہ ان کی وجہ سے اسے ایک اور دھکا پیچھے کی طرف لگا تھا۔ اگر ایسا ہوا تو پھر ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ و ذالك هو الخسران المبين لیکن اس کے لئے اگر ہمیں کچھ کرنا ہے تو بہت جلد کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ کمیونزم کا سیلاب بڑی تیزی سے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ اور مشرقی پاکستان تو بالکل اس کی زد میں دکھائی دے رہا ہے بلکہ وہاں کی حالت تو کچھ ایسی نظر آ رہی ہے گویا —— صید خود صیاد را گوید بگیر۔) اور اس سیلاب بلا کو صرف نظام ربوبیت کا بند ہی روک سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہے کہ اس نظام سے متعلق لٹریچر یہاں سے وہاں تک پھیلا دیا جائے اور مختلف زبانوں میں اس نظریہ کو عام کیا جائے۔ جو کچھ اس سلسلہ میں اب تک لکھا جا چکا ہے وہ کافی سے بھی زیادہ ہے۔ ضرورت صرف اس کے عام کرنے کی ہے۔ وبیدہ الموفیق۔

---

برادران عزیز! اس وقت تک اس تقریب کی اجتماعی حیثیت کے متعلق گفتگو تھی۔ اب آخر میں چند الفاظ ذاتی حیثیت سے عرض کرنے کی بھی اجازت چاہتا ہوں۔ آپ حضرات کا یہ اجتماع، اس بلند مقصد کے علاوہ جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

خود میری روح کے لئے کس قدر رقص آور اور نشاط انگیز ہے اور یہ میری جبینِ نیاز میں چھپے ہوئے سجدات تشکر و امتنان کو کس طرح دعوتِ زمین بوسی دے رہا ہے' اس کا اندازہ شاید آپ نہ کر سکیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے۔ میری ساری زندگی ان رفیقوں کی تلاش میں گزری ہے جو میرے سفر کی تنہائیوں میں میرا ساتھ دے سکیں۔ حضرت علامہ کے الفاظ میں:

میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

یہ تلاش کس قدر جانکاہ اور یہ جستجو کیسی صبر آزما تھی' اس کا اندازہ مشکل ہے۔ مجھے کئی ایسے مراحل یاد ہیں جب میں اس تنہائی سے تھک کر انتہائی کرب والم میں پکار اٹھتا تھا کہ

یا بکش در سینۂ من آرزوئے انقلاب یا دگرگوں کن نہادِ ایں زمان وایں زمیں

یا چناں کن یا چنیں

لیکن اس رفیقِ اعلیٰ کی چارہ سازیوں اور عاجز نوازیوں کا تصدق ہے کہ میں آج آپ حضرات کے مجمع کو اپنے سامنے دیکھ کر انتہائی وجد و مسرت کے عالم میں کہہ سکتا ہوں کہ

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں

یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

آپ احباب کی رفاقت میری امیدوں کا مرکز۔ میری تمناؤں کا محور۔ میری آرزوؤں کی تکمیل کا ذریعہ۔ میری ہمتوں کا سہارا۔ میرے جینے کی خوشی اور میری موت کا اطمینان ہے۔ میں ایک فقیر بے نوا آپ احباب کے لئے کوئی تحفہ نہیں لاسکا۔ البتہ میری متاعِ قرآنی فکر میری متاعِ عزیز ہے جس کی میں اس وقت تک تنہا حفاظت کرتا اور چراغ تہِ داماں کی طرح زمانے کے جھکڑوں سے بچاتا رہا۔ یہ متاعِ عزیز آپ احباب کی خدمت میں حاضر ہے۔

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

اسی کے لئے میں تمام عمر دعائیں کرتا رہا کہ

مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں

مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں

مرے نالۂ نیم شب کا نیاز

مری خلوت و انجمن کا گداز

امنگیں مری آرزوئیں مری

امیدیں۔ مری جستجوئیں مری

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے
لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

**پرویز**


# یہ پمفلٹس بھی ضرور دیکھئے

**روٹی کا مسئلہ** ہمارا معاشرہ جب قرآنی خطوط پر متشکل ہوگا تو اس میں روٹی کا مسئلہ کس طرح حل ہو جائے گا۔ دین میں روٹی کے مسئلہ کو کیا اہمیت حاصل ہے۔　فی پمفلٹ ۲ر

**علماء کون ہیں؟** قرآن کریم نے علم اور عالم کی کیا تعریف کی ہے۔ قرآن کی نگاہ میں علماء کون ہیں۔ قرآن سائنٹسٹ کو کیا مقام دیتا ہے　فی پمفلٹ ۲ر

**تکذیبِ دین کون کرتا ہے؟** دین کو جھٹلانے والے وہ نہیں جو دین کا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ ہیں جو دین کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔ یہ تقاضے کیا ہیں؟ صلوٰۃ کے کیا معنی ہیں اور مصلّی کسے کہتے ہیں؟　فی پمفلٹ ۲ر

**اطاعتِ رسول** رسول اللہ کی اطاعت اور حدیث کے متعلق طلوع اسلام کا مسلک کیا ہے؟ ایک اہم بنیادی سوال کی وضاحت۔　فی پمفلٹ ۲ر

**انتخاب** مسلمان اور غیر مسلم ایک قوم ہیں یا الگ الگ! اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو شریک مملکت کیا جا سکتا ہے یا نہیں! انتخاب مخلوط ہونے چاہئیں یا جداگانہ۔　قیمت فی پمفلٹ ۲ر

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ ۱۵۹/۴ ایل۔ پی۔ ای۔ سی۔ ایچ سوسائٹی۔ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# خِطاب

[جسے سکریٹری بزم طلوع اسلام لاہور نے طلوع اسلام کونشن کے سامنے ۱۶ر نومبر ۱۹۵۶ء کو پیش کیا]

برادرانِ محترم۔ سلام و رحمت! آج کا دن بڑا ہی مبارک ہے کہ اتنی کثیر تعداد میں قرآنی فکر سے ہم آہنگ طبقے کے نمائندگان و دیگر ہم مسلک احباب مغربی پاکستان کے دور و نزدیک مقامات سے بکمالِ ذوق و شوق لاہور میں مجتمع ہیں۔ اگرچہ معنوی اعتبار سے کسی خاص خطۂ زمین کی مٹی میں کوئی خصوصیت نہیں ہوتی لیکن جس مقام پر کوئی خاص واقعات رونما ہوئے ہوں انھیں اُس مقام کے ساتھ ہی منسوب کیا جاتا ہے اور اُنہی سے اُس مقام کی روایات مرتب ہو جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ شرف سرزمینِ لاہور کو حاصل ہے کہ یہاں سے حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ نے ملت مشرقیہ کو یہ پیغام دیا کہ

گر تو می خواہی مسلمان زیستن     نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

اور اُن سے واضح الفاظ میں کہا کہ دین کا تمکن ہو نہیں سکتا جب تک مسلمانوں کے پاس ایک خطۂ زمین ایسا نہ ہو جس میں وہ اپنے تصورات کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکنے کے قابل ہو سکیں۔ یہی وہ تصور تھا جس کی توثیق اسی سرزمین میں ۱۹۴۰ء میں پاکستان کے ریزولیوشن کی شکل میں ہوئی جس کا زندہ نتیجہ ہماری مملکت ہے۔ اور پھر آج یہ فخر بھی اسی سرزمین کو حاصل ہے کہ اس میں پہلی مرتبہ ان احباب کا اجتماع ہو رہا ہے جو اس مقصد کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں کہ یہ سوچا جائے کہ وہ قرآنی فکر جو اس وقت تک طلوع اسلام اور اس کے بصیرت افروز لٹریچر کے ذریعے انفرادی طور پر ضیا پاش ہوتی رہی ہے اُسے کس طرح منظم طور پر آگے بڑھایا جائے تاکہ قرآن کا حیات بخش پیغام زیادہ سے زیادہ انسانوں تک پہنچ سکے اور اس طرح ہمارا معاشرہ قرآنی خطوط پر متشکل ہو جائے۔

برادرانِ عزیز! میرے اور میرے رفقائے کار کے لئے ایسے مبارک عزم سے سرشار مہمانوں کے استقبال کی سعادت بجائے خویش ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ جس کے لئے ارکانِ بزم طلوع اسلام لاہور بارگاہِ ایزدی میں بصد شکر سجدہ ریز ہیں اور میں اپنی اور اُن کی طرف سے تمام مہمانوں کی خدمت میں ہدیۂ خوش آمدید پیش کرتا ہوں جن کے لئے ہم اتنے دنوں سے دیدہ و دل فرشِ راہ تھے کتنی بڑی ہے

یہ سعادت جو ہمارے حصے میں آئی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

برادرانِ محترم! قارئین طلوع اسلام میں باہمی رابطہ پیدا کرنے کی خصوصی کوشش کی ابتدا ماہنامہ طلوع اسلام کے شمارۂ جنوری ۱۹۵۳ء میں شائع شدہ اعلان سے ہوئی تھی۔ یہی رابطہ بتدریج متعدد بزمہائے طلوع اسلام کے قیام کا ذریعہ بنا۔ اور اُس کی استواری کی رفتار بتدریج تیز ہوتی گئی۔ مقام شکر ہے کہ پاکستان کے اکثر شہروں اور بعض قصبوں میں بھی یہ بزمیں قائم ہوچکی ہیں اور چند مقامات پر دارالمطالعہ کا بھی اجرا ہوچکا ہے۔

وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ جہاں یہ ابتدائی کوششیں طلوع اسلام کے مسلک سے (جو درحقیقت قرآن کا مسلک ہے) دلچسپی اور ہم آہنگی رکھنے والے احباب میں مزید یکجہتی اور اُستلاف کا باعث بن رہی ہیں وہاں یہ قرآنی فکر کے عام کرنے میں بھی ممد و معاون ہو رہی ہیں۔

لیکن برادرانِ عزیز! جو انقلاب عظیم قرآنی تعلیم کا منتہا و مقصود ہے۔ اس کی اہمیت کے تقاضے کام کی موجودہ رفتار سے پورے نہیں ہوسکیں گے۔ اس کے لئے بنیادی ضرورت یہ ہے کہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کو بلا تاخیر زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جائے۔ تاکہ یہ فکری انقلاب ملک کے گوشے گوشے اور گھر گھر کو محیط ہوجائے اور کوئی صاحبِ عقل و فکر ایسا نہ رہے جو اس حقیقت سے علی وجہ البصیرت شناسا نہ ہوجائے کہ دورِ حاضرہ میں استبداد کی نئی نئی شکلوں کے دام ہائے ہم رنگ زمین میں پھنسی ہوئی انسانیت کی رستگاری و فلاح کا راز صرف قرآنی نظام ربوبیت و معاشرت کی تشکیل میں مضمر ہے۔

برادرانِ محترم! دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض اوقات اچھے اچھے سمجھدار حضرات بھی ہنگامہ آرائی کی رو میں بہہ جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ کسی پیغام کو عام کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اصل کام تو عملی انقلاب ہے۔ یا یہ کہ اس فکری دعوت کو وسیع کرنے کی رٹ کب ختم ہوگی۔ گویا ان کے نزدیک تطہیر فکر اور ذہنی انقلاب کوئی اہم شے ہی نہیں۔ لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ دنیا میں کوئی صحیح انقلاب برپا نہیں کیا جاسکتا جب تک پہلے صحیح ذہنی انقلاب نہ پیدا ہوجائے۔ لہٰذا سب سے پہلے ان مخلص معترضین کو اس امر کا جائزہ لینا چاہیئے کہ ہمارے ہاں صحیح فکری انقلاب کس حد تک پیدا ہوچکا ہے۔ اور مملکتِ پاکستان کے دس کروڑ افراد میں کتنے ایسے ہیں جن تک قرآنی انقلاب کی آواز پہنچ پائی ہے۔ اور اس کے بعد یہ کہ خود ہم میں بھی آج کتنے  ہیں جو یہ دعوےٰ کرسکیں کہ وہ اس ذہنی تبدیلی کی بنا پر اپنے ہر مسئلہ کا حل قرآن کی روشنی میں کھوجنے کے قابل ہوگئے ہیں یا ان کی انفرادی کوشش سے ان کے قرب و جوار میں رہنے والے ان کے ہم نوا بن چکے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوسکے گا کہ تمام دنیا تو ایک طرف خود پاکستان میں قرآنی فکر کے پھیلنے کی رفتار کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ہونا چاہیئے تھا اس کا ہزارواں حصہ بھی اب تک نہیں ہوسکا۔ ان حالات میں یہ خود فریبی سے زیادہ کچھ نہ ہوگا۔ اگر ہم یہ خیال کریں کہ فکری انقلاب کو یہیں چھوڑ کر کوئی ہنگامہ آرائی کرنی چاہیئے۔

لہٰذا برادرانِ عزیز! کرنے کا کام ابھی اس قدر باقی ہے کہ اس کمی کو کام کی رفتار کی تیزی سے ہی پورا کیا جاسکتا ہے۔ ماہنامہ طلوع اسلام

اور اس ادارے کا پیش کردہ بے بدل لٹریچر ابھی تک بڑی حد تک ایک انفرادی کوشش و کاوش کا نتیجہ ہے جو ہمیں ہمارے محسن و محترم پرویز صاحب کے بے پناہ جذبۂ تکریم انسانیت اور عمیق مطالعۂ کتاب اللہ و علوم حاضرہ کے تصدق بلا کد و کاوش قرآنی حقائق سے بہرہ اندوز کر رہا ہے۔ ہماری انتہائی احسان ناشناسی اور کفرانِ نعمت ہوگا کہ اگر ہم اتنا بھی نہ کر سکیں کہ اس حیات بخش پیغام کی نشر و اشاعت کو عام کرنے کے لئے ضروری انتظامات عمل میں لائیں۔ مجھے امید ہی نہیں یقین ہے کہ آپ تمام حضرات مجھ سے متفق ہونگے کہ آج پاکستان ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں صرف یہی ایک گوشہ ہے جہاں سے شمع قرآنی کی کرنیں بغیر کسی قسم کی رنگ آمیزی کے اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں فضا میں پھیل رہی ہیں۔ اگر (خدانکردہ) یہ چھوٹا سا دیا جو اس وقت تک صرف ایک فرد کے خونِ جگر سے روشن ہے، ہماری کوتاہی سعی و کاوش سے آگے نہ بڑھ سکا تو نہیں کہا جا سکتا کہ انسانیت کو اس انداز سے قرآنی روشنی دیکھنا پھر کب نصیب ہو سکے۔ فطرت اس معاملہ میں زیادہ فیاض واقع نہیں ہوئی۔

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

برادرانِ محترم! یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ کسی اسلوب فکر و نظر اور مکتب خیال و مسلک کو عام کرنے کے لئے دورِ حاضرہ کے تقاضوں کے پیش نظر ایک مؤثر اشاعتی، تعلیمی و تربیتی مرکز اور پریس کا قیام اس کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ اور اس ضمن میں ایک مرکزی فنڈ اور ایک مجلس عاملہ بھی اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ طلوع اسلام کنونشن کے انعقاد کی تجویز میں دراصل یہی جذبہ اور احساس کارفرما تھا۔ چنانچہ ادارہ طلوع اسلام کے مشورے اور تعاون سے اس سلسلے میں پہلا اعلان اگست ۱۹۵۶ء کے شمارے میں درج کیا گیا تھا۔ اور پھر مقامی بزموں اور دیگر معاونین و قارئین طلوع اسلام سے ضروری خط و کتابت کے بعد ان کے تاثرات اور تجاویز کی روشنی میں ایک عارضی (TENTATIVE) ایجنڈا اور پروگرام مرتب کیا گیا اور اس کا اعلان اکتوبر کے شمارے میں کیا گیا۔ آخری اور مفصل اعلان اس بارے میں ماہ حال کی اشاعت میں درج ہوا۔ اور بزمہائے طلوع اسلام کے ترجمان حضرات اور دیگر ہم مسلک احباب کو اسی کے مطابق دعوت نامے بھیجے گئے۔

اس سلسلے میں یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں مقامی بزموں اور دیگر قارئین طلوع اسلام سے بہت سی تجاویز موصول ہوتی رہی ہیں لیکن ان میں سے بیشتر ایسی ہیں جو عمل طور پر نومبر کے شمارے میں شائع شدہ ایجنڈا کے ماتحت آ جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ جو تجاویز ہونگی ان پر بھی کنونشن کے اجلاس میں غور و خوض ہو سکیگا۔ کام کی سہولت کے پیش نظر تمام تجاویز کا ایک خلاصہ بھی تیار کر لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ایک ضروری گذارش مشورۃً پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ایسے اجتماعات کا بیشتر حصہ تقریروں کی نذر ہو جاتا ہے اور مسائل کے عملی حل کے لئے بہت کم وقت رہ جاتا ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ تقریروں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ہم مسائلِ پیش نظر کے عملی پہلوؤں پر سیدھے سادے انداز سے غور کرتے ہوئے آخری فیصلوں تک پہنچ جائیں۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں "کم بولنا، زیادہ سوچنا اور اس سے بھی زیادہ کر کے دکھا دینا" یہ ہے وہ اصول جس کی طرف قرآن ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اسی اصول کے پیش نظر میں بھی آپ کا زیادہ وقت اس تعارفی عرضداشت میں نہیں لینا چاہتا۔ امید ہے محترم پرویز صاحب کنونشن کے نام اپنے خطاب اور دیگر اوقات میں تمام اہم مسائل میں قرآنی راہنمائی سے ہمیں مستفیض فرمائیں گے۔ ایک اور درخواست یہ بھی ہے کہ آپکے قیام کے سلسلہ میں اگر آپ کو کوئی تکلیف پیش آئے تو اس کا احساس نہ فرمایئے ہمیں اپنی کوتاہیوں کا خود ہی بڑا احساس ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

خیر طلب۔ سکریٹری بزم طلوع اسلام لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# ادارہ طلوعِ اسلام

[وہ تعارفی نوٹ جسے محترم عبدالرب صاحب ناظمِ ادارہ نے "طلوعِ اسلام کونشن" میں پیش کیا]

---

**آغازِ کار**

تیس برس ہونے کو آئے کہ پرویز صاحب بسلسلۂ ملازمت شملہ میں تشریف لائے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد مسلمانانِ شملہ کو معلوم ہوگیا کہ پرویز صاحب دیگر مسلمان نوجوانوں سے جو شملہ میں معاشی ضروریات سے آتے ہیں، ممتاز حیثیت رکھتے ہیں یہ امتیاز پرویز صاحب کی اسلام دانی اور قرآن فہمی کی وجہ سے تھا جس کا مظاہرہ نجی ملاقاتوں۔ اسلامیہ ہائی اسکول کے ہال میں ہفتہ وار تقریروں اور نئی دہلی میں سکریٹریٹ کی مسجد کے خطبات جمعہ میں ہوتا تھا بکم و بیش دس سال کے اختلاط کے بعد سکریٹریٹ

**پہلا اجتماع**

کے ایسے مسلمانوں نے جنہیں اسلام اور قرآن سے دلچسپی تھی ایک نجی اجتماع میں طے کیا کہ پرویز صاحب کے علم قرآن کی افادیت کو وسیع تر کرنے کے لئے ماہوار رسالہ جاری کیا جائے اور رسالہ کے پہلے سال کے خسارے کو پورا کرنے کے لئے

**طلوعِ اسلام کا اجراء**

روپیہ جمع کر لیا جائے۔ مطلوبہ رقم جمع ہوگئی۔ اہلِ قلم حضرات نے قلمی معاونت کے وعدے کئے اور اپریل سنہ ۱۹۳۸ء میں طلوعِ اسلام کا پہلا شمارہ دہلی سے شائع ہوگیا۔

**رسالہ کی ذمہ داری**

رسالہ کو جاری ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ نظر آگیا کہ یہ بارِ گراں تنہا پرویز صاحب ہی کو اٹھانا پڑے گا۔ اس لئے کہ طلوعِ اسلام ان تصورات سے بالکل الگ پرچہ دکھائی دیا جو قلمی امداد کا وعدہ کرنیوالوں کے ذہن میں تھے۔ اس میں تمام مسائل حیات کا حل خالص قرآن کریم کی روشنی میں پیش کیا جاتا تھا اور اسلوب نگارش بھی ایسا بلند تھا جو اردو کے بہت کم مجلات کے حصہ میں آتا ہے۔ یہ دونوں خصوصیات کہیں اور سے بھی نہیں مل سکتی تھیں۔ اس لئے پورے پرچہ کی ذمہ داری پرویز صاحب کے سر پر تھی۔ طرفہ تماشا یہ کہ اس کا نہ کوئی باقاعدہ دفتر تھا نہ عملہ۔ پرچہ کی تیاری کے ساتھ ساتھ قائداعظم مرحوم کے مشوروں اور دوسرے کاموں میں شرکت تحریک پاکستان کے متنوع گوشوں سے متعلق امور کی دیکھ بھال۔ قرآنی ریسرچ کا کام اس پر مستزاد تھے۔ اور یہ سب کچھ اس جانکاہ ملازمت کے ساتھ جو کسی دوسرے کام کے لئے عام طور پر فرصت ہی نہیں دیا کرتی۔ یہ

تھے وہ حالات جن میں پرویز صاحب نے طلوع اسلام کی ابتدا کی۔

**ادارہ کی کارگذاری**

پرچہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ اور میدان صحافت میں اس نے وہ بلند مقام حاصل کیا جو کم صحیفوں کو نصیب ہو سکا ہے۔ ہر ملّی معاملہ میں طلوع اسلام کی تنقید حرفِ آخر تصور ہوتی تھی۔ پاکستان کی جدوجہد میں قائدِ اعظم کی حمایت۔ مشترکہ قومیت کے مقابلہ میں مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کی پر زور اور بدلائل تائید نیشنلسٹ علماء (بالخصوص ابوالکلام صاحب آزاد، حسین احمد مدنی صاحب وغیرہ) کے دعاوی کا قرآن کی روشنی میں ابطال۔ خاکسار تحریک سے ہمدردی، وارد ھا کی تعلیمی اسکیم کی نہایت شدید اور کامیاب مخالفت وغیرہ وغیرہ وہ اہم مسائل تھے جن کے حل میں طلوع اسلام کی آواز ہمیشہ وزنی سمجھی گئی۔ اس سعی و عمل کی وسعت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ واردھا اسکیم سے متعلق پمفلٹ کا چھ زبانوں میں ترجمہ ہوا تھا اور قریباً اسّی ہزار کی تعداد میں شائع ہوا تھا۔ اس قسم کے مختلف پمفلٹ ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے تھے۔ چار سال کی مسلسل

**طلوع اسلام کی اشاعت میں التوا**

جدوجہد کے بعد جب پرویز صاحب شدید طور پر بیمار ہو گئے تو طلوع اسلام کی اشاعت عارضی طور پر روک دی گئی۔ اور ادارہ کی توجہات پاکستان کی جنگ میں دیگر ضروری امور کی جانب پھر گئیں۔ مثلاً قائدِ اعظم کے لئے پاکستان کے قرآنی تصور کی وضاحت۔ صوبہ سرحد میں استصوابِ رائے کے مرحلہ میں عملی کام وغیرہ وغیرہ۔ اس کے ساتھ ہی معارف القرآن کی پہلی تین جلدیں بھی شائع ہوئیں۔

**طلوع اسلام کا دوبارہ اجراء**

تقسیم ہند کے بعد پرویز صاحب بسلسلۂ ملازمت پاکستان آگئے۔ اور ۱۹۴۸ء کے شروع میں کراچی سے طلوع اسلام پھر جاری کر دیا گیا۔ اس دفعہ پہلے سال کا خسارہ پورا کرنے کا وعدہ دینے والے حضرات بھی ساتھ نہ تھے اور سارا بوجھ تنہا پرویز صاحب کے سر پر تھا۔

**اشاعت کتب**

اب طلوع اسلام کے ساتھ پرویز صاحب کی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ باقاعدہ شروع ہو گیا۔ اور یہی چیز در حقیقت اسکے تسلسل اور بقا کا سبب بنی۔ کیونکہ رسالہ کا خسارہ کتابوں ہی کی بچت سے پورا ہوتا تھا۔ اس سلسلہ میں

**اسکیم پیشگی خریداران**

پیشگی خریداران کی اسکیم کا اجرا کیا گیا (واضح رہے کہ اس اسکیم کی رو سے کسی سے کچھ بطور عطیہ نہیں لیا جاتا صرف کتابوں کی قیمت پیشگی لی جاتی ہے۔ اور ان حضرات کو جو کتابیں بھیجی جاتی ہیں۔ ان پر محصول ڈاک بھی ادارہ ادا کرتا ہے۔)

**مالی امداد لینے سے احتراز**

کسی سے مالی امداد لینے کی پرویز صاحب نے ہمیشہ مخالفت کی ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ ہماری قوم کی عام طور پر حالت یہ ہے کہ جو شخص کسی ادارہ کو ایک اٹھنی بھی بطور عطیہ دیدے تو وہ اپنا حق سمجھتا ہے کہ ادارہ کے بیس ہزار روپے کا آمد و خرچ اس کی صوابدید کے مطابق ہو۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ ادارہ کو اٹھتے بیٹھتے بدنام کرتا پھرتا ہے کہ یہ سب چور ہیں اور قوم کا روپیہ کھائے جاتے ہیں۔

**طلوع اسلام ہفتہ وار**

قارئین طلوع اسلام کا ایک عرصہ سے تقاضا تھا کہ اسے ماہوار کی بجائے ہفتہ وار کر دیا جائے۔ لیکن ادارہ کی مالی حالت اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتی تھی۔ اسکے لئے طلوع اسلام کے بہی خواہ خود آگے بڑھے اور

انھوں نے غیر مشروط طور پر عطیات بھیجے۔ ان حالات میں ہفتہ وار طلوع اسلام کا پہلا شمارہ فروری ۱۹۵۵ء میں شائع ہو گیا۔ ہفتہ وار بھی نہایت باقاعدگی سے وقت پر نکلتا رہا اور مقبول ہوا لیکن ماہنامہ کے مقابلہ میں ہفتہ وار کا چندہ زیادہ ہونے کی وجہ سے اشاعت میں کوئی معتد بہ اضافہ نہ ہو سکا۔ خسارہ کم کرنے کیلئے اشتہارات چھاپنے بھی شروع کئے گئے مگر سال بھر کا تجربہ ہفتہ وار کو جاری رکھنے کا مؤید نہ ہو سکا۔ اور فروری ۱۹۵۶ء سے اس نے پھر ماہنامہ کی شکل اختیار کر لی۔

## لائف ممبر

جن احباب نے ہفتہ وار کا متوقع خسارہ پورا کرنے کے لئے بروقت امداد فرمائی تھی انھیں بلا قید رقم عمر بھر کے لئے طلوع اسلام بلا قیمت بھیجنے کی پیشکش کی گئی اور جنھوں نے اسے قبول فرمایا ان کے نام رسالہ برابر بلا قیمت بھیجا جا رہا ہے۔

## خسارہ پرویز صاحب کے سر

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ادارہ نے اس سے پہلے کسی سے مالی امداد نہیں لی تھی اور ادارہ درحقیقت تنہا پرویز صاحب کے بل بوتے پر چل رہا تھا۔ ان کی کتابوں کی بچت سے طلوع اسلام کا خسارہ پورا ہوتا تھا اور جب خسارہ اس بچت سے بھی زیادہ ہو جاتا تھا تو وہ اسے اپنی جیب سے پورا کر دیتے تھے اسلئے ادارہ کو اسکی ضرورت نہ تھی کہ اپنی آمد و خرچ کا لمبا چوڑا حساب رکھے لیکن اسکے باوجود اس نے اسکا حساب شروع سے رکھا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ خسارہ کس قدر ہو رہا ہے۔ ۱۹۵۴ء میں چونکہ دوسرے حضرات سے بھی امداد لی گئی اسلئے اس کا حساب تفصیل سے رکھا گیا حالانکہ یہ امداد بھی معطیان نے بلا شرط دی تھی۔ اسکے بعد ادارہ کی پھر وہی پہلی شکل ہے یا بالفاظ دیگر ادارہ درحقیقت ایک فرد کے سر پر چل رہا ہے جس سے اسے فکر بھی ملتا ہے اور سامانِ زندگی بھی۔

## ترکِ ملازمت

کام کے بے انتہا طور پر بڑھ جانے سے پرویز صاحب کے سامنے یہ سوال شدومد سے آیا کہ ملازمت چھوڑ کر سارا وقت اس مشن کیلئے وقف کر دیا جائے۔ یہ سلسلہ بڑی کشمکش کا تھا اسلئے کہ ملازمت چھوڑنے سے انکی آمدنی بہت کم ہو جاتی تھی جس کا اثر ادارہ پر پڑتا تھا۔ اور ملازمت برقرار رکھنے سے وقت پر اثر پڑتا تھا۔ بالآخر انھوں نے وقت کو زیادہ قیمتی متاع سمجھا اور ملازمت کو بہت قبل از وقت خیرباد کہہ دیا۔ جب انھوں نے ملازمت چھوڑی ہے تو اسوقت انکے سامنے ڈپٹی سکریٹری شپ کی اسامی تھی جسمیں تقریباً سولہ سترہ سو روپے ماہوار مل سکتے تھے لیکن انھوں نے اسکے مقابلہ میں وقت کو زیادہ قیمتی قرار دیا۔ اب وہ اس ملازمت سے فارغ ہو کر صبح سے شام تک سارا وقت اس مشن کی نذر کرتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ اسکا اثر ادارہ کی مالی حالت پر ضرور پڑا ہے نیز انکی زندگی پر بھی۔ انکی صحت تیزی سے گر رہی ہے۔ اسلئے ضرورت ہے کہ انھیں ان تفکرات سے آزاد کیا جائے۔

## ذہنی انقلاب

گذشتہ ہزار سال میں مسلمانوں نے دین کو مذہب میں تبدیل کیا اور مذہب کو عقل سے ماوراء قرار دیکر مسلمان کی قوتِ فکر کو مفلوج کر دیا۔ طلوع اسلام اور ادارہ کی دیگر مطبوعات نے اس مفلوج قوتِ فکر کو دوبارہ بیدار کر کے ایک عظیم ذہنی انقلاب کی بنیاد رکھدی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ اللہ کا تصور پہلے اللہ ڈرنے کی چیز تھی۔ ایک مستبد حاکم کی طرح۔ اس سے ہر وقت خائف اور ہمیشہ اسکے سامنے گڑگڑاتے رہنا ضروری تھا۔ لیکن اب اللہ ایک بلند اور عظیم ہستی ہے جو کارگہ کائنات کو اپنے متعین قوانین کے مطابق چلا رہی ہے۔ انہی قوانین کے مطابق انسانی اعمال بھی نتیجہ خیز ہوتے ہیں۔ خدا کی ہستی اسماء الحسنیٰ سے مزین ہے جو انسان کیلئے نمونہ ہونے کی جہت سے قابلِ احترام اور عزیز ہے۔ اسماء الحسنیٰ کا عکس اپنی ذات میں انسان اللہ کی ذات کو سامنے رکھ کر ہی پیدا کر سکتا ہے۔

۲۔ آدمی اور انسان۔ زمینی مخلوقات میں آدمی ایک نوع کا اضافہ ہے۔ عموماً جانوروں سے مشابہ مگر عقل و ارادہ کے باعث ان سے ممیز۔ جانور اپنے پیٹ کی فکر کرتے ہیں۔ آدمی بھی مفادِ خویش ہی کے پیچھے رہتا ہے۔ جب آدمی میں دوسرے آدمیوں سے انس پیدا ہو یعنی انکے مفاد کا بھی خیال رکھنے لگے تو وہ انسان بننے لگتا ہے۔ قرآن آدمی کو انسان بنانا سکھاتا ہے۔

(۳) مذہب اور دین۔ پہلے ہم معنی الفاظ تھے اب معلوم ہوا کہ مذہب میں بے سوچے سمجھے رسوم کی ادائیگی انفرادی طور پر ہوتی ہے اور دین نظامِ زندگی ہے جسمیں یہ قائم ہوش و حواس دیگر افراد کے ساتھ ملکر زندگی بسر ہوتی ہے۔ اسلام دین ہے مذہب نہیں ہے اور مسلمانوں کا انحطاط دین کو مذہب میں تبدیل کر دینے سے ہوا ہے اور یہ تبدیلی انسانوں کی ان خود ساختہ روایات کے ذریعہ عمل میں آئی جنھیں بدقسمتی سے حضور نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ مسلمانوں کو عروج صرف دین کے قیام سے حاصل ہو سکتا ہے۔

۴۔ مکافات عمل۔ عمل کے اثر کا آغاز فوراً شروع ہونے لگتا ہے لیکن اسکے اثر کو پورے طور پر ظاہر ہونے میں وقت لگتا ہے۔ لہٰذا یہ کلیۃً صحیح نہیں کہ انسانی زندگی کے اعمال کا اثر صرف آخرت میں جا کر نمایاں ہوگا بلکہ اعمال کے اثرات مرتب ہونے اسی زندگی میں شروع ہو جاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر جنت اور دوزخ کا سماں اسی زندگی میں بندھنا شروع ہو جاتا ہے اور یہ تسلسل موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

۵۔ زندگی مسلسل ہے۔ اسلئے موت ڈرنے کی شے نہیں۔ موت تو آئندہ بہتر زندگی کا دروازہ ہے۔

۶۔ محمد رسول اللہ کی مختلف حیثیتیں تھیں۔ (ا) وحی سے سرفراز ہونیکی وجہ سے آپ نبی تھے۔ وحی پائے بغیر کوئی انسان نبی نہیں ہو سکتا۔ (ب) جو تعلیم بذریعہ وحی آپ کو ملی تھی اسے من و عن دوسرے انسانوں تک پہنچانیکی جہت سے آپ رسول تھے۔ حضورؐ نے فریضۂ رسالت بوجہ اتم پورا فرمایا۔ وحی کے الفاظ آپنے دوسروں کو زبانی یاد کرائے اور تحریری طور پر کتابی شکل میں قرآن آپنے امت کو دیا۔ نیز منشاء وحی کو عملی شکل دیکر آپنے قرآنی معاشرہ قائم کیا جسکے باعث آپ امیر ملت بھی تھے۔ (ج) حضورؐ کی حیثیت بشر کی بھی تھی قل انما انا بشر مثلکم بشری حیثیت سے آپ میں اور دیگر انسانوں میں مماثلت تھی۔ مثلاً حوائج زندگی، خارجی عوامل کے اثرات، باہمی معاملات وغیرہ۔ ان مختلف حیثیتوں کو سامنے رکھنے ہی سے مقام محمدی ٹھیک ٹھیک سمجھا جا سکتا ہے

۷۔ اصطلاحات قرآنی کے مفہوم کا تعین مثلاً۔ عبادت، احکام و ہدایات قرآنی کی بطیب خاطر اطاعت۔ صلوٰۃ۔ احکام قرآنی پر زیادہ سے زیادہ کاربند بنانے کا اجتماعی نظام جسمیں صلوٰۃ کے موقت اجتماعات بھی شامل ہیں۔ صیام۔ تندرست و توانا افراد ملت میں اجتماعی طور پر ضبط خویش پیدا کرنیکا ذریعہ۔ زکوٰۃ۔ نظام صلوٰۃ کے ماتحت جملہ افراد ملت کیلئے ہر وہ سامان بہم پہنچانا جو ان کی نشوونما کیلئے درکار ہو۔ حج۔ عالمگیر اجتماع جسمیں ملت کے اہم مسائل کا حل حجت اور دلیل کی بنا پر تجویز کیا جائے۔ تسبیح۔ نظام خداوندی کی تکمیل میں پوری ہمت اور توانائی سے کوشش کرنا

**عملہ** ادارہ کسی سے مفت کام نہیں لیتا۔ کام کرنیوالوں کی کفالت کا انتظام کرتا ہے لیکن اسکے باوجود موزوں کارکن آسانی سے بہم نہیں پہنچتے۔ جذباتی اشخاص زیادہ اور جم کر مستقل کام کرنیوالے کم دستیاب ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک صاحب نے متعدد خطوط ادارہ کو لکھے کہ وہ طلوع اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اور اپنے جذبۂ خدمت کی تسکین کیلئے وہ ہر قسم کی قربانی کیلئے تیار ہیں حتیٰ کہ وہ اپنی موجودہ ملازمت کو چھوڑ کر ادارہ میں تقریباً بنصف تنخواہ پر کام کرنیکو آمادہ تھے۔ انہیں لکھا گیا کہ وہ جلد بازی سے کام نہ لیں اور موجودہ ملازمت سے رخصت لیکر آجائیں اور دو تین ماہ کے بعد آخری فیصلہ کریں۔ وہ سابقہ پنجاب سے کراچی تشریف لے آئے اور کام شروع کر دیا۔ لیکن تقریباً ایک ماہ میں وہ جذبۂ خدمت سرد پڑ گیا اور انہوں نے ادارہ کو خیرباد کہکر کراچی میں کوئی کاروبار کر لیا۔ میں نے یہ مثال اسلئے پیش کی ہے تاکہ اس حقیقت کی وضاحت ہو جائے کہ کفالت کے انتظام کے باوجود ہمارے ہاں ایسے کارکنوں کی شدید قلت ہے جو استقلال اور استقامت سے جمکر کام کریں۔ ہمارے ہاں جذبات کی تیزی اور استقلال کی کمی ہوتی ہے اور یہ چیز ادارہ طلوع اسلام میں کسی طرح بھی فٹ نہیں ہوتی۔ ادارہ میں گنتی کے چند افراد کام کرتے ہیں۔ کارکنان کی موجودہ ٹیم خوش قسمتی سے پورے تعاون سے کام کر رہی ہے۔ یہ لوگ کام کی تکمیل میں جسقدر وقت اور محنت درکار ہو بخوشی اور خندہ پیشانی سے لگاتے ہیں۔ یہ ٹیم دس افراد پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کارکنوں کو ادارہ تنخواہ نہیں دیتا بلکہ ان کی کفالت کرتا ہے۔ تنخواہ کے تصور میں صرف کام کی نوعیت کو دخل ہوتا ہے۔ یعنی اتنے یا ایسے کام کے لئے اتنی اجرت دیجائیگی۔ تنخواہ کے تعین میں کارکن کی ذمہ داریوں اور اخراجات کا لحاظ قطعاً رکھا نہیں جاتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہاں ایک کا بنک بیلنس بڑھتا رہتا ہے وہاں دوسرا روٹی کپڑا بھی بمشکل بہم پہنچا سکتا ہے۔ اس مشکل کا علاج کفالت ہے یعنی کارکن کو اتنی رقم دیدی جائے جسمیں اسراف و تبذیر سے بچکر وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے۔ قرآنی معاشرہ میں کارکنوں کو کفالت ہی ملے گی۔

**حسابات** جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ادارہ کی آمد و خرچ کا حساب احتیاط سے رکھا جاتا ہے۔ دو کھاتے ہیں ایک طلوع اسلام کا اور دوسرا کتب کا۔ طلوع اسلام کا خرچ اسکی آمد سے ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ کتب کے کھاتہ میں کچھ بچت ہوتی ہے۔ اور یہ بچت طلوع اسلام کے کھاتہ کی کمی کو پورا کرتی رہتی ہے۔ کتب میں بچت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ محترم پرویز صاحب اپنی جملہ تصانیف ادارہ کو مفت عنایت فرماتے ہیں اور ان پر رائلٹی وغیرہ نہیں لیتے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کتب کی بچت طلوع اسلام کے خسارہ کو پورا کرنے کے لئے ناکافی ہو تو محترم موصوف ہی ذاتی طور پر اسے پورا کر دیتے ہیں اور چندہ طلب کرنے کی تجویز سے گریز فرماتے ہیں۔ اور اگر بعد اصرار کسی سے کچھ قبول کرتے ہیں تو قرض

ان احباب سے جن سے ان کے قلبی تعلقات ہیں۔ خسارہ کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ دسمبر ۱۹۵۵ء کو چھوڑ کر جسمیں طلوعِ اسلام کے خسارہ کو پورا کرنے کیلئے بیرونی احباب نے مدد کی تھی، تین سال ۵۳-۵۲ء، ۵۴-۵۳ء اور ۵۵-۵۴ء میں طلوعِ اسلام کی مد میں قریباً گیارہ ہزار روپے کا خسارہ ہوا ہے اور کتابوں کی مد میں قریباً نو ہزار کی بچت۔ اسکے معنی یہ ہوئے کہ سب کچھ خرچ کر دینے کے بعد بھی قریباً دو ہزار روپے کا خسارہ پرویز صاحب کو اپنی گرہ سے پورا کرنا پڑا ہے۔

**ادارہ کی ہیئت ترکیبی**

ادارہ میں جمہوری انداز کے عہدہ دار نہیں رکھے گئے۔ اور نہ ہی اس کا تجارتی انداز ہے جس میں ڈائرکٹر، شیئر ہولڈر اور ڈیویڈنڈ وغیرہ ہوتے ہیں۔ ادارہ کی روح محترم پرویز صاحب ہیں اور قرآنی فکر کے ہمنوا اسکے لئے بمنزلہ جسد ہیں۔ اس ہیئت ترکیبی کے ساتھ گذشتہ بیس سال سے ادارہ نہایت خاموشی سے اپنا کام کر رہا ہے۔ الحمد للہ اس عرصہ دراز میں کبھی کوئی ہنگامہ زا کیفیت پیدا نہیں ہوئی۔ اور کام نہایت سہولت سے چلتا رہا۔ باوجودیکہ ادارہ کو کٹھن اوقات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

**پیشِ نظر کام**

جس مقام پر آ کر ادارہ کا کام رکا ہے وہ لغات القرآن اور مفہوم القرآن کی طباعت ہے۔ یہ دونوں کتابیں محترم پرویز صاحب کے قرآنی فکر کا خلاصہ ہیں۔ ان کتابوں کے ذریعہ قرآنی فکر گھر گھر عام ہو سکتا ہے۔ اور ہر گھر قرآنی تعلیم کے لئے درسگاہ بن سکتا ہے۔ ان کتابوں کی مدد سے مطالعے کے مرکز بھی قائم کئے جا سکتے ہیں۔ دونوں کتابیں ضخیم ہیں۔ انکی طباعت مضبوط اور دیرپا کاغذ پر ہونی لازمی ہے۔ نیز ان کی پلیٹیں یا ٹائپ وغیرہ کا محفوظ رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ طبع ثانی کے موقع پر یہی خرچ دوبارہ اٹھانا نہ پڑے۔ ان کتابوں کی طباعت کیلئے ہزاروں روپے درکار ہونگے۔ مطلوبہ رقم کے حصول کیلئے احباب کی طرف سے متعدد تجاویز موصول ہوئی ہیں۔ عطیات حاصل کئے جائیں۔ کتابوں کی قیمت پیشگی وصول کی جائے۔ اگر قیمت پچیس روپے بھی رکھی جائے تو کم از کم دو ہزار پیشگی خریدار بہم پہنچنے چاہئیں۔ اور آخر میں یہ کہ ادارہ کی پیشگی خریداران کی موجودہ اسکیم کو توسیع دیجائے۔ اسطرح کہ موجودہ تقریباً ڈھائی سو پیشگی خریداران ان کتابوں کے لئے علیحدہ ایک ایک سو روپے بھیجیں اور ڈھائی سو تازہ پیشگی خریدار حاصل کئے جائیں۔ لیکن ان میں سے کوئی تجویز بھی اطمینان بخش نظر نہیں آتی۔ یہ اہم سوال بھی اسی اجتماع کے حل کرنے کا ہے۔ فیصلہ تک پہنچنے میں ایک بات کو نظر انداز نہ ہونے دیجئے۔ وقت کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ مسلمان کی ذہنیت کی سطح بدلا جائے کہ وہ قرآن کے مطابق ہو جائے۔ موجودہ ذہنیت کے مظاہرے اندرونِ اور بیرونِ پاکستان میں برابر ہوتے رہتے ہیں۔ انتخاب کے معاملہ میں مسلمان نمائندگان نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کا قرآنی تصور سے بُعد اظہر من الشمس ہے۔ نیز اسلامی ممالک کا غیر اسلامی حکومتوں کی طرف رجحان بھی غیر قرآنی ذہنیت کا آئینہ دار ہے۔ مسلمان نے قرآن کو مہجور بنا رکھا ہے۔ یا ربّ ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا۔ مہجور اس جانور کو کہتے ہیں جسکی گردن یا سینگ میں ایک طرف رسی ڈال کر دوسری طرف رسی تنگ کر کے باندھ دی جاتی ہے۔ تاکہ وہ معمولی رفتار سے چل نہ سکے۔ قرآن کو انسانی خیالات کی رسی سے مہجور بنا دیا گیا ہے۔ اسکی مہجوری کو دور کرنیکا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ قرآن کو اسکے اپنے الفاظ سے سمجھا جائے۔ اس کے مطلب کو غیر قرآنی بیانوں سے مسخ نہ ہونے دیا جائے۔ لغات القرآن نے اس شدید ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ اسکی مدد سے قرآن اپنے الفاظ کے مطالب کے ذریعہ سمجھا جا سکیگا۔ اور جب قرآن براہ راست سمجھا جائیگا تو وہ خود سمجھنے والے کی ذہنیت کو قرآنی بنادے گا۔ مسلمان کی موجودہ غیر قرآنی ذہنیت کو قرآنی ذہنیت میں بدلنے کے لئے لغات القرآن اور مفہوم القرآن بڑے موثر ذرائع ثابت ہونگے۔ اسلئے ان کی طباعت کا جلد از جلد اطمینان بخش انتظام وقت کی اہم ضرورت ہے۔ لیکن یہ تو پیشِ نظر کام کا صرف ایک گوشہ ہے۔ جیسا کہ متعدد بار دہرایا گیا ہے اس وقت تک ادارہ صرف ایک انفرادی کوشش کا رہینِ منت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال کبھی تسلی بخش قرار نہیں دی جا سکتی۔ ضرورت ہے کہ ادارہ کو ایسی پختہ بنیادوں پر استوار کیا جائے کہ افراد آتے رہیں اور جاتے رہیں۔ لیکن ادارہ بدستور رواں دواں آگے بڑھتا جائے۔ یہ ہے سب سے اہم سوال جس کا حل اس اجتماع کو سوچنا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

# مجلسِ اقبال

## مثنوی اسرار و رموز، باب یازدہم (مسلسل)

## (حکایت شیخ و برہمن و مکالمہ گنگا و ہمالہ)

سابقہ نشستوں میں دو حکایات ہمارے سامنے آچکی ہیں۔ زیرِ نظر عنوان کے ماتحت حضرت علامہ نے پہلے ایک برہمن اور شیخ کا مکالمہ درج کیا ہے اور اسکے بعد گنگا اور ہمالہ کی باہمی گفتگو۔ پہلے مکالمہ کی ابتدا یوں ہوتی ہے۔

در بنارس برہمنے محترم
سر فرو اندر یمِ بود و عدم

بنارس میں ایک برہمن تھا جو رموزِ کائنات کے حل کرنے میں مستغرق رہتا تھا۔ کائنات کیا ہے؟ کیسے وجود میں آگئی؟ عدم کسے کہتے ہیں؟ وجود کیا ہے۔ اس قسم کے نظری اور مابعد الطبیعاتی مسائل تھے جن پر وہ ہمیشہ غور و فکر کرتا اور انہی پیچیدگیوں میں ڈوبا رہتا۔ علامہ اقبال نے بات تو کسی ایک برہمن کی کی ہے۔ لیکن اس سے اشارہ ہندو فلسفہ کی طرف ہے جو افلاطونی مسلک کے تتبع میں اسی قسم کے تجریدی مسائل کے حل میں عمریں صرف کر دینا سکھاتا ہے اور اسے بہت بڑا کارنامہ قرار دیتا ہے یعنی انسان کو دنیا کے عملی مسائل سے بیگانہ بنا کر محروم عمل کر دیتا ہے۔ اور اس نہج زندگی کو انسانیت کے بلند مدارج قرار دیتا ہے۔ اسی فریب میں بنارس کا یہ برہمن مبتلا تھا۔ اور اس نے اپنی ساری عمر اسی بیکار ادھیڑ بن میں صرف کر دی تھی۔

بہرۂ وافر ز حکمت داشتے
با خدا جویاں ارادت داشتے

اسے فلسفہ و دانش اور علم و حکمت کا بہت بڑا حصہ ملا تھا۔ وہ بہت بڑا فلاسفر اور صاحبِ دانش تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے ان لوگوں سے بھی بڑی عقیدت تھی جو خدا کے متلاشی ہوں۔

ذہن او گیرا و ندرت کوش بود
با ثریا عقلِ او ہمدوش بود

اسے فطرت کی طرف سے ایسا ذہن عطا ہوا تھا جو فکر کی بلندی میں ستاروں سے بھی اونچا چلا جاتا تھا۔ اور دوسری طرف رموزِ کائنات کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر نئے نئے نکات ڈھونڈھ کر لایا کرتا تھا۔

آشیانش صورتِ عنقا بلند
مہر و مہ بر شعلۂ فکرش سپند

اس کے طائرِ فکر کا آشیانہ عنقا کی طرح بلند تھا۔ اور چاند اور سورج تک اس کی آتشِ حکمت کے سامنے سپند (ہرمل) کے دانے کی طرح تھے جو ذرا سی حرارت سے اپنی ہستی کھو دیتا ہے

مدتے مینائے او در خوں نشست
ساقیِ حکمت بجامش مے نہ بست

اس نے دنیائے فکر و تدبر میں اپنی عمر ضائع کر دی۔ رموزِ ہستی کے سمجھنے میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیا۔ لیکن اس کے پلے کچھ نہ پڑا اس پر نہ کوئی راز فاش ہوا۔ نہ کوئی عقدہ حل ہوا۔

در ریاضِ علم و دانش دام چید
چشم دامش طائرِ معنی ندید

اس نے ایک مدت تک علم و حکمت کے باغ میں اپنا جال بچھائے رکھا۔ لیکن کوئی ایک طائرِ معنی بھی اس میں آ کر نہ پھنسا۔ اس کی تمام تگ و دو بیکار گئی۔ اس کی کوششوں کا ماحصل کچھ نہ نکلا۔

ناخنِ فکرش بخوں آسودہ ماند
عقدۂ بود و عدم نکشودہ ماند

رموزِ کائنات کی عقدہ کشائی میں اس کے ناخنِ فکر و تدبر ایک مدت تک مصروفِ کاوش رہے۔ لیکن ان میں سے کوئی ایک گرہ بھی نہ کھلی۔

آہ بر لب شاہدِ حرمانِ او
چہرہ غمّازِ دلِ حیرانِ او

اسے اپنی اس محرومی کا کس قدر احساس تھا اس کی شہادت وہ سرد آہیں دیتی تھیں جو ہمیشہ اس کے لب پر رہتی تھیں۔ اس کا دل اس سعیٔ لاحاصل سے کس قدر ششدر و حیران رہتا تھا۔ اس کی پردہ دری اس کے چہرے کی زردی اور خشکی کرتی تھی۔ عمر بھر عقدہ ہائے کائنات کی کشود میں جھکا لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں؛ اس انتہائی یاس (حرماں نصیبی) کے عالم میں وہ ایک دن

رفت روزے نزدِ شیخ کاملے
آنکہ اندر سینہ پرورد ے دلے

ایک شیخ کامل کی خدمت میں حاضر ہوا جو اپنے سینے میں ایک پرورش یافتہ دل رکھتا تھا۔ جس نے اپنے قلب کی صلاحیتوں کی نشو ونما کی تھی۔

یہاں اس تضاد کو نظر انداز نہ کیجئے کہ وہ برہمن یکسر فکر و دماغ (INTELLECT) تھا۔ وہ رموزِ کائنات کو علم و حکمت (REASON) کے ذریعے حل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا نتیجہ ناکامی و نامرادی کے سوا کچھ نہ نکلا۔ اب وہ جس شیخ کامل کے پاس آیا وہ صاحب دل تھا یعنی اس نے اپنے (INNER SELF) کی نشو ونما کی ہوئی تھی۔ اقبال کے فلسفہ کا یہی سنگِ بنیاد ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ انسان تنہا عقل کی رو سے رموزِ کائنات کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس کا ذریعہ وہ علم ہے جو قلب کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اگر اس ذریعہ علم سے مراد وحی خداوندی ہے جو حضرات انبیائے کرام کو ملتی تھی۔ اور جو اب اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کے اندر محفوظ ہے۔ تو یہ تصور مبنی بر حقیقت ہے لیکن اگر اس سے مراد کوئی باطنی ذریعہ تعلیم ہے جس کا دعویٰ تصوف کرتا ہے تو یہ اسی افلاطونی تصور کی بازگشت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسان کے اندر ایک باطنی صلاحیت ہے جسے قوتِ خیال یا قوتِ ارادی کہتے ہیں۔ لیکن اس کا تعلق نہ تو دین سے ہے اور نہ یہ ان عقدوں کی کشود کر سکتی ہے جن کا علم ہمیں صرف وحی کی رو سے حاصل ہو سکتا ہے۔ علامہ اقبال چونکہ قرآن کے داعی ہیں۔ اس لئے اس قلبی ذریعۂ علم سے ان کی مراد اکثر و بیشتر وحی خداوندی ہی ہوتی ہے۔ لیکن ان کے ہاں اسکے باوجود ایسے مقامات بھی ملتے ہیں جن سے مترشح ہوتا ہے کہ اس سے ان کی مراد تصوف کا علم ہے۔ اسکی وجہ یا تو ان کی فکر کا تدریجی ارتقاء ہے اور یا اس ماحول کے غیر شعوری اثرات جن میں انہوں نے شروع سے تربیت پائی تھی۔ بہرحال اس کی وجہ کچھ بھی ہو یہ مقامات (کم از کم سطح بین انسانوں کے لئے) غلط فہمی بلکہ گمراہی کا موجب ہو سکتے ہیں۔ اس لئے فکر اقبال کے طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی دشوار گذار گھاٹیوں سے بہت محتاط طریق سے گذرے۔

اب پھر اسی حکایت کی طرف آئیے۔ وہ برہمن اس شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اپنی داستان بیان کی۔ انہوں نے اس کی داستان بڑے غور اور خاموشی سے سنی۔

گوش بر گفتارِ آں فرزانہ داد
برلبِ خود مہرِ خاموشی نہاد

اس کی داستان سنی اور اس کے بعد۔

گفت شیخ اے طائفِ چرخِ بلند
اندکے عہدِ وفا با خاک بند

اس سے کہا کہ تو اب تک آسمان کی بلندیوں کے چکر کاٹتا رہا ہے۔ اب ذرا ان بلندیوں سے نیچے اتر کر، زمین کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر۔

یہ وہی حقیقت ہے جسے حضرت علامہ نے دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

اگر نہ سہل ہوں تجھ پر زمیں کے ہنگامے
بری ہے مستیٔ اندیشہ ہائے افلاکی

انسان کو زمین پر رہنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اسلئے اسے اپنے معاشرتی اور اجتماعی مسائل کے حل کی فکر مقدم ہونی چاہیئے۔ فلسفہ انسان کو ان مسائل کی طرف سے بیگانہ بنا کر نظری اور تجریدی مسائل کی وادیوں میں گم کر دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان نہ دین کا رہتا ہے نہ دنیا کا۔ اس شیخ نے برہمن سے یہی کہا کہ

تا شدی آوارۂ صحرا و دشت
فکر بیباک تو از گردوں گذشت

تیری فکر بلند آسمانوں کی سیر کرنے لگ گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تو اس زمین کے دشت و صحرا میں ایک راہ گم کردہ مسافر کی طرح ہو گیا جو ساری عمر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر مارا مارا پھرتا ہے لیکن منزل کا کہیں پتہ نشان نہیں پاتا۔ اس لئے تیرے لئے ضروری ہے کہ

باز میں درساز اے گردوں نورد
در تلاشِ گوہرِ انجم مگرد

تو اب ستاروں کی دنیا میں گوہر مقصود کی تلاش چھوڑ کر، زمین کے عملی مسائل کی طرف توجہ دے۔

من نگویم از بتاں بیزار شو
کافری؟ شائستۂ زُنّار شو،

میں تجھے یہ نہیں کہتا کہ تو اپنا مذہب و مسلک چھوڑ کر میرا مذہب و مسلک اختیار کرلے۔ تو اگر بت پرست رہنا چاہتا ہے تو یہ تیری اپنی خوشی ہے۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ تو جس مسلک کے ساتھ بھی متمسک رہنے کا مدعی ہے اپنے آپ کو اس کے شایانِ شان ضرور بنا۔ اسکے حقوق و واجبات پر نگاہ رکھ۔ اسکے تقاضوں کو نظر انداز نہ ہونے دے۔ تیری یہ تصوراتی اور تخیلاتی زندگی یکسر تجرد کی انفرادی زندگی ہے لیکن انسانیت کا تقاضا اجتماعی زندگی بسر کرنا ہے۔ یہی اجتماعی زندگی تھی جس کی وجہ سے تیرے اسلاف، قدیم ہندو، ایک قوم بن گئے تھے۔ اس لئے

اے امانت دارِ تہذیبِ کہن　　پشت پا بر مسلکِ آبا مزن
گر ز جمعیت حیاتِ ملت است　　کفر ہم سرمایۂ جمعیت است

تجھے اپنے آباء و اجداد کی روش کو خیرباد نہیں کہنا چاہیئے۔ تجھے ان کے مسلک کا پابند رہنا چاہیئے۔ اگر یہ حقیقت ہے کہ ملت کی زندگی اجتماعی مسلکِ حیات میں مضمر ہے تو کفر بھی وجہ جامعیت بن سکتا ہے۔ تو اسی کی بنا پر اپنی قوم کے ساتھ وابستہ رہ۔ انفرادی زندگی تو نہ کفر کے شایانِ شان ہے۔ نہ ایمان کے۔ لہٰذا اس قسم کی زندگی بسر کرنے سے مومن ہونا تو ایک طرف تو کافر بھی پختہ نہیں کہلا سکتا۔

تو کہ ہم در کافری کامل نہٖ
در خورِ طوفِ حریمِ دل نہٖ

توجب اپنے کفر میں بھی کامل نہیں تو کعبۂ دل کا طواف کس طرح کر سکتا ہے؟ تجھے علم کے اس حصے سے کچھ نہیں مل سکتا جس کا سرچشمہ انسان کا دماغ نہیں بلکہ دل ہے۔

اس انفرادی ریا یوں کہیئے کہ اصولی) نصیحت کے بعد حضرت علامہ خود مسلمانوں کی طرف آتے ہیں۔ اور اسی مکالمہ کے تسلسل میں کہتے ہیں کہ اس باب میں ہندو (برہمن) کی کیا تخصیص ہے۔ ہم خود اپنے مرکز سے الگ ہو کر بہت دور جا چکے ہیں۔

ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور
تو ز آذر، من ز ابراہیم دور

ہم دونوں صحیح راستہ چھوڑ کر اپنے مسلک سے الگ ہو چکے ہیں۔ ہندو مسلک آذری سے الگ ہو چکا ہے اور مسلمان مقام ابراہیمی سے الگ

قیس ما سودائی محمل نشد
در جنون عاشقی کامل نشد

ہماری زندگی کے مرکز کے ساتھ عشق ہی نہیں رہا۔ ہمارا جنون عشق ناپختہ اور غیر مکمل ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری خودی زندہ نہیں رہی۔ اور

مُرد چوں شمعِ خودی اندر وجود
از خیالِ آسماں پیما چہ سود!

جب انسان کے اندر شمع خودی ہی نہ فروزاں نہ ہو تو پھر فلسفیانہ موشگافیوں اور منطقیانہ نکات آرائیوں سے کیا حاصل!

اس مکالمے سے علامہ اقبال جس حقیقت کو سامنے لانا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ زندگی کا راز اسی میں ہے کہ ملت کے افراد اپنی اپنی خودی کو مستحکم کریں۔ اور اس کے بعد سب مل کر اجتماعی زندگی بسر کریں۔ اسرارِ خودی اور رموزِ بیخودی کی پوری مثنوی اسی ایک نقطہ کی تشریح ہے۔

---

اس کے بعد دوسرا مکالمہ شروع ہوتا ہے۔ جس میں افراد مکالمہ دریائے گنگا اور ہمالیہ پہاڑ ہیں۔

آب زد در دامن کہسار چنگ
گفت روزے با ہمالہ رودِ گنگ

ایک دن کا ذکر ہے کہ گنگا کا پانی ہمالیہ کی چوٹیوں سے آبشار بن کر نیچے گر رہا تھا۔ اور اس سے فضا میں عجیب قسم کا ترنم پیدا ہو رہا تھا۔ یہ ترنم یا نغمہ آفرینی درحقیقت ایک مکالمہ تھا جو گنگا اور ہمالیہ میں ہو رہا تھا۔ اور جس میں دریائے گنگا ہمالیہ پہاڑ سے کہہ رہا تھا کہ

اے ز صبح آفرینش یخ بدوش
پیکرت از رودہا زنار پوش

اے وہ کہ تیری چوٹیاں صبح ازل سے برف پوش چلی آرہی ہیں، اور تیرے پیکر کے گرد یوں ندی نالے گھوم رہے ہیں جیسے کسی برہمن نے زنار پہن رکھے ہوں۔ تو بلند بھی ہے اور سرمایہ تقدیس بھی۔

حق ترا با آسماں ہمراز ساخت

پات محرومِ خرامِ ناز ساخت

قدرت نے تجھے بلندی تو ایسی دی ہے کہ آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی تیرے ساتھ ظلم اتنا کیا ہے کہ تجھے ایک مقام پر ساکت و صامت کھڑا کر دیا ہے۔ اور تیرے پاؤں میں ذرا سی جنبش کی صلاحیت بھی نہیں دی۔

طاقتِ رفتار از پایت ربود

ایں وقار و رفعت و تمکیں چہ سود!

یہ ٹھیک ہے کہ تو بڑا باوقار و پرتمکیں ہے۔ بہت بلند اور برجا ایستادہ ہے، بڑا محکم اور بھاری بھرکم ہے۔ یہ سب کچھ ہے۔ لیکن ذرا سوچو کہ جسے اپنی جگہ سے ایک قدم تک ہلنے کی مقدرت نہ ہو۔ اس کا وقار و تمکنت کس کام کا؟ حقیقت یہ ہے کہ

زندگانی از خرامِ پیہم است

برگ و سازِ ہستیٔ موج از رم است

زندگی تو چلتے رہنے اور مسلسل چلتے رہنے کا نام ہے۔ موج جب تک رواں ہے موج ہے۔ جب ساکن ہو جائے تو اس کی ہستی ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے تو زندہ نہیں مردہ ہے۔

کوہ چوں ایں طعن از دریا شنید

ہم چو بحرِ آتشِ از کیں بر دمید

جب ہمالیہ نے یہ طعن آمیز گفتگو سنی تو غصے سے اس کے سینے میں آگ کا سمندر موجزن ہو گیا۔ اور

گفت اے پہنائے تو آئینہ ام

چوں تو صد دریا درونِ سینہ ام

گنگا سے کہا کہ تیرے منہ سے یہ باتیں سن کر مجھے افسوس ہوا۔ ذرا سوچو تو سہی کہ تمہاری ہستی کیا ہے اور میں کیا ہوں! تمہاری ہستی کا مقصد صرف اتنا ہے کہ وہ میرے لئے آئینہ کا کام دے سکے جب تو دشت کی پہنائیوں میں پھیل جائے۔ تو اس میں میری جھلک نظر آجائے۔ اس کے برعکس، میں وہ ہوں کہ تیرے جیسے سینکڑوں دریا میرے سینے کے اندر پنہاں ہیں۔

ایں خرامِ ناز، سامانِ فناست

ہر کہ از خود رفت شایانِ فناست

یہ تمہاری رفتار جس پر تمہیں اس قدر ناز ہے۔ کچھ سمجھی بھی کہ یہ درحقیقت ہے کیا؟ یہ تمہارے لئے فنا کا سامان ہے۔ اس سے

تمہاری ہستی ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اسلئے کہ جو شے بھی اپنا مقام کھو دیتی ہے اسے فنا دبوچ لیتی ہے۔

از مقامِ خود نداری آگہی
بر زبانِ خویش نازی ابلہی!

تجھے اپنے مقام ہی کا علم نہیں۔ یہ کس قدر حماقت ہے کہ جو چیز تیرے لئے اس قدر باعث نقصان ہے تو اسی پر اتنا فخر و ناز کرتا ہے؟

اے ز بطنِ چرخِ گردوں زادۂ
از تو بہتر ساحلِ افتادۂ

یہ ٹھیک ہے کہ تیرا سرچشمہ آسمان ہے۔ تیری اصل اتنی بلند ہے۔ لیکن اس سے کیا حاصل؟ جب تونے اپنا مقام ہی کھو دیا تو اس سے تجھے کیا فائدہ ہے کہ تو اس قدر رفیع الاصل واقع ہوا ہے؟ تجھ سے تو ایک گرا ہوا ساحل ہزار درجہ اچھا ہے کہ اس نے اپنا مقام تو نہیں چھوڑا۔

ہستیٔ خود نذرِ قلزم ساختی
پیشِ رہزن نقدِ جاں انداختی

تیرے اس خرام پیہم کا نتیجہ ہے کہ تو چلتے چلتے بالآخر اپنے آپ کو سمندر میں جذب کر دیتا ہے۔ اسکے بعد سمندر کا وجود باقی رہتا ہے لیکن تیرا نام و نشان تک مٹ جاتا ہے۔ وہ رہزن تمہاری متاع ہستی لوٹ کر لے جاتا ہے اور تو اس پر خوش ہے!! علامہ اقبال نے اس مقام پر ویدانت یا وحدت وجود کے فلسفہ پر سخت تنقید کی ہے (اور یہ چیز ان کے فلسفۂ خودی کا نقطہ ماسکہ ہے) ویدانت یا وحدت وجود کی رو سے انسانی ذات کا کمال یہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو ذات خداوندی (برہما) کے اندر فنا کر دے۔ یہی انکی زندگی کا مقصود ہے۔ عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا۔ لیکن اقبال کا فلسفۂ خودی فنا کی تعلیم نہیں دیتا۔ وہ کہتا ہے کہ

ہم چو گل در گلستاں خود دار شو
بہرِ نشرِ بو پئے گلچیں مرو

یہ کیا زندگی ہے کہ پھول اپنی خوشبو کو پھیلانے کے لئے گلفروش کے پیچھے پیچھے پھرتا ہے۔ زندگی یہ ہے کہ پھول اپنے مقام پر محکم رہے اور جسے خوشبو حاصل کرنا ہو وہ وہاں اس کے پاس آئے۔ بخود خزیدہ جینا، یہی حقیقی زندگی ہے۔

زندگی بر جائے خود بالیدن است
از خیابانِ خودی گل چیدن است

اپنی جگہ پر قائم رہ کر اپنی خودی کی نشو و نما کرتے جانا۔ یہ ہے زندگی۔ اسی سے مقصود حیات حاصل ہوتا ہے۔

قرنہا بگذشت و من پا در گلم
تو گماں داری کہ دور از منزلم

قرنہا قرن گذر گئے کہ میں اپنے مقام پر کھڑا ہوں۔ تیرا خیال ہے کہ چونکہ میں اپنی جگہ سے ہلا نہیں اس لئے میں اپنی منزل سے

دور ہوں۔ یہ خیال خام ہے۔ منزل تک اپنے مقام سے قدم اٹھا کر نہیں پہنچا جاتا۔ اگر اپنی خودی محکم ہو تو منزل خود کھنچ کر انسان کے پاس آجاتی ہے۔ اپنی جگہ پر محکم ہو جانا ہی تو منزل ہے۔ میرے ترنہا قرن سے ایک مقام پر جم کر کھڑے رہنے سے ہوا یہ کہ

ہستیم بالید تا گردوں رسید
زیر دامانم ثریا آرمید

میری ہستی میں نشو ونما ہوتی چلی گئی اور میں بلندی میں آسمان تک جا پہنچا۔ ایسی بلندی تک کہ ثریا ستارہ بھی میرے دامن آگیا۔ اس کے مقابلہ میں تم اپنی طرف دیکھو کہ

ہستی تو بے نشاں در قلزم است
ذرۂ من سجدہ گاہِ انجم است

تمہاری ہستی سمندر میں پہنچ کر فنا ہو چکی ہے۔ اور میری چوٹی کے آگے ستارے بھی سر جھکاتے ہیں

چشم من بینائے اسرارِ فلک
آشنا گوشم ز پرواز ملک

میری بلندیوں کا یہ عالم ہے کہ میری آنکھ آسمان کے رازوں تک سے آشنا ہے۔ وہ انہیں بے نقاب اپنے سامنے دیکھتی ہے اور میرے کان فرشتوں کے پروں کی سرسراہٹ سنتے ہیں۔

تا ز سوز سعیٔ پیہم سوختم
لعل و الماس و گہر اندوختم

مجھے جو تم دیکھتے ہو کہ میں خاموش ایک مقام پر کھڑا ہوں تو اس سے یہ اندازہ مت لگاؤ کہ میں بالکل جامد اور معطل ہوں۔ سعیٔ و عمل سے بیگانہ اور تگ و تاز سے نا آشنا ہوں۔ میں ہر وقت اپنے اندر ہی انقلاب کی فکر میں غلطاں اور آتش خودنگری سے سوزاں رہتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ میرا دامن ہمیشہ لعل و الماس سے بھرا رہتا ہے۔

در برِ دتم سنگ و اندر سنگ نار
آب را ہر نارِ من بنود گذار

میرے سینے کے اندر سخت پتھر ہے اور پتھر کے اندر آگ۔ یہ آگ ایسے مقام پر محفوظ ہے کہ پانی کی اس تک رسائی ہی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے نہ وہ بجھ سکتی ہے۔ نہ اس کی حرارت میں کمی آسکتی ہے

قطرۂ خود را بپائے خود مریز
در طلاطم کوش و با قلزم ستیز

تو ایک اتنا بڑا دریا ہے۔ اگر تو دریا نہیں بلکہ ایک قطرۂ آب بھی ہو تو بھی اپنے آپ کو ناچیز اور کمزور و ناتواں نہ سمجھ۔ اگر تو نے

اپنے آپ کو آنسو کی طرح نیچے گرا دیا تو تو فی الواقعہ ختم ہو جائے گا۔ تو ایسا نہ کر۔ تو اپنے اندر ایک طوفان برپا کر دے اور اس طرح پورے کے پورے سمندر سے ٹکرا جا۔

آب گوہر خواہ و گوہر ریزہ شو
بہر گوشِ شاہدے آویزہ شو

اور یا استحکام خویش سے اپنے اندر گوہر جیسی پختگی پیدا کیے کہ گوہر کی سی چمک دمک پیدا کر اور اس طرح قطرۂ آنسو کی طرح خاک میں مل جانے کے بجائے کسی محبوب رعنا کے کان کا آویزہ بن جا۔

یا خود افزا شو۔ سبک رفتار شو
ابر برق انداز و دریا بار شو
از تو قلزم گدیۂ طوفاں کند
شکوہ ہا از تنگیٔ داماں کند

یا اپنے اندر بے پناہ وسعت پیدا کر اور ایسا بادل بن جا جو بجلیاں گرائے اور دریا دریا بارش برسائے۔ ایسی دریا بار بارش کہ سمندر اپنے اندر طوفان پیدا کرنے کے لئے تیرا محتاج ہو جائے اور پکار اٹھے کہ میرے دامن میں اتنی وسعت کہاں کہ میں تیری تلاطم خیزیوں کا متحمل ہو سکوں، تیری شورانگیزیاں اس قدر حدود فراموش و قیود ناآشنا ہوں کہ سمندر ان کے سامنے عاجز آجائے اور

کمتر از موجے شمارد خویش را
پیش پائے تو گذارد خویش را

سمندر اپنے آپ کو ایک موج ناتواں سے بھی کم درجہ کا سمجھے اور تیرے پاؤں میں آگرے۔ یہ ہے زندگی۔ اسے جینا کہتے ہیں۔ نہ یہ کہ اٹھ کر اپنے آپ کو سمندر میں جذب کر دیا!!

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے علامہ اقبال کے فلسفۂ خودی کا یہی محور ہے۔ یعنی یہ کہ قطرہ اپنے آپ کو سمندر میں فنا نہ کر دے بلکہ استحکام خویش سے ایسا حدود ناآشنا ہو جائے کہ خود سمندر اس کی وسعتوں کے اندر آجائے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے انھوں نے زبور عجم میں ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ

بہ بحرش گم شدن انجام ما نیست
اگر او را تو در گیری فنا نیست
خودی اندر خودی گنجد محال است
خودی را عین خود بودن کمال است

آپ نے کبھی سوچا؟
شگفتگی، طلعت اور جسم کے پیچھے کیا کارفرما ہے!
گرم دوڑتا ہوا لہو۔ اگر وہ ذرا بھی سرد ہو جائے تو آپ زرد پڑ جاتی ہیں۔
اسکی وجہ؟ آپ کی اعتدالی اغذیہ میں اہم حیاتین کی شدید کمی۔ اس خطرے
کے تدارک کیلئے آپ کو مرغن غذاؤں کی نہیں بلکہ ......
وِم وائٹ (۲۵ ضروری حیاتین کا مرکب)
کی ضرورت ہے جسے آپ کی صحت، توانائی اور تازگی کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اپنی
شگفتگی کو برقرار رکھنے کے لئے آج ہی وِم وائٹ خریدیئے۔
ایک گرانقدر طبی تحفہ۔ ایک حیرت انگیز سائنسی تجربہ۔ امریکہ میں بنا ہوا ہر دوا فروش سے ملتا ہے
VIM VITE
آپ رشک کرتے ہیں!
کسی مضبوط اور متناسب جسم کو دیکھ کر۔ کیونکہ آپ لاغر ہیں اور پھر بھی صحت کا بھید
ڈھونڈ نہیں پاتے۔ آیئے ہم آپ کی مشکل حل کریں۔ کیا آپ اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں
کہ آپ کی غذا نظام جسمانی کی قطعی ضروریات کو پورا کر رہی ہے؟ کیا آپ کو حیاتین ٹھیک
طور پر مہیا ہو رہی ہیں؟ یقیناً کوئی تشفی بخش جواب آپ کے پاس نہیں۔
وِم وائٹ (۲۵ ضروری حیاتین کا مرکب)
ایک گرانقدر طبی تحفہ، ایک حیرت انگیز سائنسی تجربہ آپ کی مشکل کا حل ہے۔ جسے
استعمال سے آپ تیزی سے ایک توانا اور قابلِ رشک صحت تعمیر کر سکیں گے۔
آپ کی صحت کا ضامن۔ امریکہ میں بنا ہوا ہر دوا فروش سے ملتا ہے۔
VIM VITE
اپنے بچے کو آپ تندرست، توانا اور بشاش دیکھنا چاہتے ہیں اس لئے آپ صحت افزا اور
مقوی اشیاء کی تلاش کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکثر بچے ماں باپ سے ورثہ
ناقص خون پاتے ہیں۔ یا پھر بالخصوص ماں کے دودھ سے محروم رہتے ہیں۔ اور
بازاری دودھ کے سہارے پروان چڑھتے ہیں۔ ان صورتوں
کے علاوہ بھی انکی صحت ضروری حیاتین کی کمی کے باعث
ناقص رہتی ہے اور کوئی بھی مرض حملہ آور ہو سکتا ہے۔
بچے کو ان تمام خدشات سے محفوظ رکھنے کے لئے
وِم وائٹ (۲۵ ضروری حیاتین کا مرکب) خریدیئے
وِم وائٹ بچوں کی تمام ضرورتوں کے پیش نظر تیار کیا گیا ہے صحت کی مکمل ضمانت ہے۔
آپ کے بچے کے اندرونی نظام کا سہارا۔ امریکہ میں بنا ہوا۔ ہر دوا فروش سے ملتا ہے۔
VIM VITE

## اچھی عادتیں بڑی دولت ہیں!

کیا آپ وقت کے پابند ہیں؟

کیا آپ صفائی کا خیال رکھتے ہیں؟

کیا آپ ہمیشہ تپاک برتتے ہیں؟

کیا آپ اصولِ صحت کے پابند ہیں؟

## کیا آپ روپیہ بھی بچاتے ہیں؟

ہمیں اپنی زندگی کو صرف گذارنا نہیں بلکہ سُدھارنا اور سنوارنا لازم ہے۔ عمدہ اخلاق عادات ایسا فریضہ ہیں جو آپ اپنا انعام ہے۔ اچھی عادتوں سے کردار بنتا ہے جو خود بڑی دولت ہے، اور بچت کی عادت سے قسمت بھی بن جاتی ہے۔

پس اندازی اُن عمدہ عادات میں سے ہے جن سے دلی اطمینان بھی حاصل رہتا ہے اور آئندہ خوش حالی کی ضمانت بھی۔ خصوصاً جب کہ آپ اپنی بچت سیونگز سرٹیفکیٹ میں لگائیں۔ آپ جو رقم اِن تمسکات میں لگاتے ہیں اُس کی ضامن حکومت ہے اور اِس سے مُلکی بہبود کے کاموں میں مدد ملتی ہے۔ اِس کے علاوہ آپ کو اِس پر اتنا معقول منافع ملتا ہے کہ کسی اور مد سے نہیں ملتا۔ یعنی دس برس میں دس روپے کے چودہ (۱۴) روپے ۳ آنے بن جاتے ہیں۔

## بچت کی عادت ڈالئے

## کفایت میں برکت ہے

## پاکستان سیونگ سرٹیفکیٹ میں روپیہ لگائیے

۳½ فی صدی منافع۔ ڈاک خانوں، سیونگ بیورو اور مقررہ ایجنٹوں سے مل سکتے ہیں

سب کی پسند
مسواک
ٹوتھ برش
ٹوتھ پیسٹ
MESWAK
Tooth Paste
MAKES TEETH PEARLY WHITE

# حقائق و عبر

## ڈاڑھی کا فلسفہ

دریاباد (بھارت) کے مشہور صحافی عبدالماجد صاحب جن کا مشن ہی یہ ہے کہ اسلام کو گھناؤنی سے گھناؤنی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ صدق کی ۱۲ اکتوبر کی اشاعت میں "ڈاڑھی کے فیشن" کے عنوان سے رقمطراز ہیں۔

### ایک پاکستانی روزنامہ کے مکتوب لندن سے

"لندن کے نوجوانوں میں ڈاڑھی کا فیشن عام ہو گیا ہے۔ اچھے خاصے رند حضرتِ شیخ کی تقلید میں مصروف ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ڈاڑھی اور لڑکی لازم و ملزوم ہو گئے ہیں اور اکثر کو یقین ہو گیا ہے کہ فرنگی حسن ڈاڑھی پر جان دیتا ہے۔ چنانچہ پاکستان میں ریشِ مبارک کا مذاق اڑانے والے کئی نوجوانوں نے بھی لندن میں ڈاڑھیاں بڑھا رکھی ہیں۔"

روایت اگر صحیح ہے اور محض براہ تفنن نہیں گڑھ لی گئی تو اسکے اندر ایک گہری حیاتیاتی حقیقت پوشیدہ ہے۔ ڈاڑھی بہرحال ایک جنسی علامت ہے (گو وہ علامتِ اولیہ نہیں دوسرے بلکہ تیسرے درجے کی ہے) اور ہر جنسی علامت اپنے اندر ایک جنسی معنویت بھی رکھتی ہے۔ اس مردانہ علامت کے محو کرنے میں پے درپے اور سالہا سال تک لگے رہنا قدرۃً مردانہ قوت کو کمزور کر دیتا ہے اور اس کے برعکس اس علامت کو قائم و محفوظ رکھنا خود اس قوت کے برقرار رکھنے میں معین ہے۔ اور اس لئے جنسِ مقابل کا ایسے مردوں کی طرف التفات کرنا ایک امر طبعی ہے۔ رسولؐ کی فرمائی ہوئی ہر بات میں علاوہ روحانی اور اخلاقی فوائد کے خود طبعی اور جسمانی مصلحتیں بھی کتنی شامل رہتی ہیں۔

(صدق ۱۲ اکتوبر ۵۶ء)

ملاحظہ فرمایا آپ نے ڈاڑھی کا فلسفہ اور اسکے فوائد؟ جس طرح ہمارے یونانی دواخانوں کی فہرست میں ہر دوائی کی خصوصیات کے آخر میں لکھا ہوتا ہے کہ "قوتِ باہ کے لئے بھی مفید ہے" اسی طرح ہمارے ملا کو شریعت کے ہر حکم کی حکمت و غایت میں یہی نظر آتا ہے کہ وہ جنسی قوت کو برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ تو یہ تو بہ کس شدت سے سوار رہتی ہے ان حضرات کے اعصاب پر جنسیت اور کس قدر بگڑی ہوئی (PERVERTED) ہوتی ہے ان کی ذہنیت! اور یہ اسلئے کہ ہمارے شرعی لٹریچر میں (خواہ وہ کتب روایات ہوں یا فقہ اور ان پر مشتمل مسائل کی کتابیں) جنسیات سے متعلق اتنا کچھ ہوتا ہے کہ اس کے مطالعہ کا لازمی نتیجہ اس قسم کی ذہنیت کا پیدا ہو جانا ہے۔

لیکن اس میں سب سے زیادہ دردانگیز اور جگر پاش المیہ یہ ہے کہ یہ حضرات اس قسم کی لغویات کو جو خود ان کے یا ان جیسے اور لوگوں کے ذہن کی تراشیدہ ہوتی ہیں، منسوب کر دیتے ہیں اس ذاتِ اقدس و اعظمؐ (فداہ ابی و امی) کی طرف کہ جس سے بڑھ کر قلب و نگاہ کی پاکبازی کسی انسان کے حصہ میں نہیں آئی۔ خدا جانے مسلمانوں کو کب ہوش آئے گا کہ وہ اپنی مذہبی کتابوں سے اس قسم کی حیاسوز باتوں کو نکالیں اور ان "مقدسین" کا منہ بند کر سکیں جو حضورؐ کی طرف اس قسم کی باتیں منسوب کرتے ہوئے قطعاً نہیں شرماتے۔ انہیں کیا معلوم کہ جن قلوب میں اُس ذات کی عظمت و محبت ہے اُن پر ان کی اس قسم کی گستاخیوں سے کیا گزرتی ہے!

چہ خبر ترا ز اشکے کہ فرو چکد ز چشمے
تو بہ برگِ گل ز شبنم دُرِ شاہوار داری

---

## ہندو مسلم — بھائی بھائی؟

موقر جریدہ ڈی میل (ڈھاکہ) نے اپنی ۱۴ر اکتوبر کی اشاعت میں ایک حقیقت کشا شذرہ شائع کیا ہے۔ جس کا رواں ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

## ہندو ہر سال چالیس کروڑ روپیہ بھارت کو بھیج رہے ہیں

مشرقی پاکستان سے ہندو بلیک مارکیٹ کے ذریعے چالیس کروڑ روپیہ سالانہ بھارت کی طرف منتقل کر رہے ہیں۔ اس سے پاکستان کی بالعموم اور مشرقی پاکستان کی اقتصادی حالت بالخصوص بری طرح مجروح ہو رہی ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف مشہور ماہر اقتصادیات ڈاکٹر اے صادق کی ایک تالیف سے ہوا جسے خود حکومت نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں ایسے اعداد و شمار درج ہیں جن کی بڑی احتیاط سے جانچ پڑتال کر لی گئی ہو۔ ڈاکٹر صادق نے اپنی تحقیق کا نتیجہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> اس امر کی موثق شہادت موجود ہے کہ ہندو تشکیل پاکستان کے وقت سے ہی بلیک مارکیٹ کے ذریعے گراں بہا رقوم بھارت کی طرف منتقل کرتے چلے آ رہے ہیں اور اس امر کی تو دستاویزی شہادت موجود ہے کہ سنہ ۱۹۴۸-۴۹ء میں یہ رقم (چالیس کروڑ کے بجائے) ایک ارب اکتیس کروڑ باسٹھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔

اس کے بعد اس کتاب میں لکھا ہے کہ

> بھارت کی طرف اس طرح روپیہ منتقل کرنے کا ایک سرچشمہ پٹ سن کی تجارت ہے۔ یہ کاروبار مارواڑیوں کے ہاتھ میں ہے جو ہندوستان سے مستقل طور پر نقل مکانی کر کے ادھر نہیں آئے۔ یہ بھارت کے شہری ہیں۔ جن کا صدر مقام کلکتہ ہے اور بھارت میں ان کا اصلی کاروبار ہے۔

اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ پٹ سن کے منافع کی اوسط انیس کروڑ پینتالیس لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ اس میں سے سات کروڑ

دو لاکھ کے قریب تو پاکستان کے تاجروں کو ملتا ہے۔ اور باقی بارہ کروڑ تینتالیس لاکھ روپیہ سالانہ غیر پاکستانی زمینداریوں کی تجوریوں میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ سمجھنا کہ مارواڑیوں نے یہ روپیہ بھارت کی طرف منتقل نہیں کیا ہوگا، حماقت ہے۔

چونکہ قانونِ زر تبادلہ کی رو سے یہ رقم سرکاری طور پر اسٹیٹ بنک کی معرفت ہندوستان کو نہیں بھیجی جا سکتی۔ اس لئے یہ روپیہ بلیک مارکیٹ کے ذریعہ بھارت بھیجا گیا ہے۔

اس کے علاوہ حسبِ ذیل ذرائع سے بھی روپیہ ہندوستان کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ ہندوؤں کی شہری جائداد کی قیمت فروخت (سولہ کروڑ روپیہ) زمینداری کی آمدنی (پانچ کروڑ) بینک۔ فلم اور دیگر تجارتی آمدنی (دو کروڑ) ان ملازمین کی آمدنی جو بھارتی نیشنل ہیں (ایک کروڑ) ان کے علاوہ وکلاء کا طبقہ ہے جن کے پاس پاکستانی پاسپورٹ ہیں یہ پاکستانی عدالتوں میں مقدمے لڑاتے ہیں اور اپنے رہنے سہنے پر ساٹھ روپیہ ماہوار فی نفر سے زیادہ کبھی خرچ نہیں کرتے۔ جب عدالتوں میں تعطیلات ہو جاتی ہیں تو یہ سب بھارت میں اپنے اہل و عیال کے پاس چلے جاتے ہیں۔

یہ حضرات قریب چھ سو روپیہ فی کس ماہانہ کے حساب سے بلیک مارکیٹ کے ذریعہ بھارت بھیجتے رہتے ہیں۔

ان کے علاوہ، کچھ اور لوگ بھی ہیں جو پاکستان میں کماتے ہیں اور اپنا نفع بھارت کی طرف منتقل کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایسے ہندو پناہ گزیں جن کے اہل و عیال بھارت میں ہیں اور جو یہاں مختلف محکموں میں ملازم ہیں۔ یا مسلمان پناہ گزیں جو مشرقی پاکستان میں ملازم ہیں اور جن کے بال بچے ہندوستان میں ہیں۔ ان کا روپیہ بھی بلیک مارکیٹ کے ذریعہ جاتا ہے۔ اس کا اندازہ ایک کروڑ روپیہ کے قریب ہے۔"

یہ ہیں وہ حقائق جن کا انکشاف ایک ایسی کتاب کے ذریعہ ہوا ہے جو (دی ٹیل کے بیان کے مطابق) خود حکومت کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

اس کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ

اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

---

## یہ بھی شریعت وہ بھی شریعت

آپ کو یاد ہوگا کہ عائلی کمیشن کے سوالنامہ کے جواب میں صغر سنی کی شادی کے متعلق جماعت اسلامی کے امیر سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے تحریر فرمایا تھا۔

سوال — کیا آپ کے نزدیک نکاح کے لئے عمروں کا یہ تعین از روئے قرآن کریم یا از روئے حدیث صحیح ممنوع ہے۔

جواب — نکاح کے لئے عمروں کی تعین کی کوئی صریح ممانعت تو قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ مگر کم سنی کے نکاح کا جواز سنت سے ثابت ہے اور احادیث صحیحہ میں اسکے عملی نظائر موجود ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جو چیز شرعاً جائز ہے۔ اس کو آپ قانوناً حرام کس دلیل سے کرتے ہیں۔ ...... کیا اسے ناجائز اور باطل ٹھہرانے کے لئے کوئی اجازت قرآن یا حدیث صحیح میں موجود ہے؟

لیکن اب اسی جماعت کے نائب امیر امین احسن اصلاحی صاحب عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے اسی ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں کہ

لیکن مجھے ان لوگوں کی (یعنی ممبران کمیشن کی) قرآن فہمی پر حیرت ہوتی ہے کہ جب قرآن نے خود بلوغ کو لفظ "نکاح" یعنی شادی کی عمر سے تعبیر کیا ہے تو اب اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کس دلیل کی ضرورت باقی رہ گئی کہ شادی کی عمر بلوغ ہے۔ یہ تو بلوغ کے عمر نکاح ہونے پر ایک ایسی نص صریح ہے کہ اس کے بعد کسی بحث و اختلاف کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی (ترجمان القرآن ص۵۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء)

یعنی بات یہ بنی کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے نزدیک صغر سنی کی شادی کا جواز احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور اس کو حرام قرار دینے کے لئے ان کے نزدیک کوئی دلیل ہی موجود نہیں ہے۔ لیکن ان کے نائب امین احسن اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن نے بہ نص صریح بلوغ (بالغ ہونے) کو نکاح کی عمر قرار دیا ہے۔ اور یہ ایک ایسی نص صریح ہے کہ اسکے بعد کسی بحث و اختلاف کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی۔

ممکن ہے کہ عام لوگوں کو جماعت اسلامی کے امرا کی ان تضاد بیانیوں سے حیرت ہو۔ لیکن جو لوگ ان کی تحریروں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ تضاد بیانی ان کے ہاں کوئی معیوب چیز نہیں ہے بلکہ یہ ان کی پالیسی کا وہ بنیادی محور ہے جس پر ان کی ساری سیاست گھومتی ہے۔ وہ مختلف اور متضاد باتیں لکھ کر رکھ چھوڑتے ہیں۔ تاکہ جب اور جہاں جس قسم کی بات کی ضرورت پڑ جائے اسے چسپاں کر دیا جائے۔ مختلف امیروں کے بیانات اور تحریریں تو ایک طرف رہیں ان کے ہاں اس قسم کے تضادات ایک ہی امیر کی مختلف تحریرات میں بھی نمایاں طور پر مل جاتے ہیں۔ اور اسکی مثالیں طلوع اسلام میں اکثر پیش ہوتی رہتی ہیں۔

(۲) نیز بیک وقت تین طلاقیں دینے کے متعلق مودودی صاحب کا ارشاد یہ تھا کہ ایسا کرنا گناہ ہے اور اس کے مرتکب کو سزا دی جانی چاہیے۔ ان کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

سوال — اگر کوئی شوہر بیک وقت تین طلاقیں دے تو کیا آپ کے نزدیک اسے قطعی طلاق مغلظہ شمار کیا جائے یا تین طہروں میں تین طلاقوں کے اعلان کے بغیر جیسا کہ قرآن میں ہدایت کی گئی ہے۔ یہ مغلظ شمار نہ ہو۔

جواب — ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ تین طلاق اگر بیک وقت دیئے جائیں تو وہ تین ہی طلاق شمار ہوں گے۔ اور میرے نزدیک یہی صحیح تر بات ہے۔ اس لئے میں یہ مشورہ نہیں

> ہو سکتا کہ اس قاعدے میں کوئی تغیر کیا جائے۔ لیکن یہ امر مسلم ہے کہ ایسا کرنا گناہ ہے کیونکہ اس صحیح طریقے کے خلاف ہے جو اللہ اور رسول نے طلاق دینے کے لئے سکھایا ہے۔۔۔۔۔۔ دستاویز نویسوں کو حکماً تین طلاق کی دستاویز لکھنے سے منع کر دیا جائے اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے جرمانہ مقرر کر دیا جائے۔۔۔۔۔ بیک وقت تین طلاق دینے والوں کے لئے بھی سزائے جرمانہ مقرر کر دی جائے۔۔۔

یعنی مودودی صاحب کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینا گناہ ہے اور اس صحیح طریقے کے خلاف ہے جو اللہ اور رسول نے طلاق دینے کے لئے سکھایا ہے۔ ایسا کرنے والے کو بھی سزائے جرمانہ دی جانی چاہیئے۔ اور اس کی دستاویز لکھنے والے کو بھی۔ لیکن اس کے برعکس اسی جماعت کے نائب امیر امین احسن اصلاحی صاحب رقمطراز ہیں کہ

> لیکن اس کے طلاق بدعی ہونے کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ یہ بدعت ضلالت ہے بلکہ اس سے مراد طلاق کا وہ طریقہ ہے جو معیاری سنت سے ہٹا ہوا ہے۔ اگر بدعت سے مراد یہاں بدعت ضلالت ہوتی تو آخر وہ لوگ اس اصطلاح کو کیوں اختیار کر لیتے جو اس طریقۂ طلاق کو بدعت نہیں سمجھتے بلکہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ ان کی اس تعبیر کو قبول کر لینے کی وجہ تو یہی ہو سکتی ہے کہ انہوں نے اس کو اصطلاحی بدعت سمجھا۔ اور اگر وہ اسے حقیقی بدعت سمجھتے تو اس کے جواز کے قائل کس طرح ہوتے؟ (ترجمان القرآن صہ۷۶ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۵۶ء)

یعنی اصلاحی صاحب کے نزدیک یہ حقیقی بدعت بھی نہیں محض اصطلاحی بدعت ہے۔ یعنی یہ طلاق کا وہ طریقہ ہے جو محض معیاری سنت سے ہٹا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ یعنی وہی چیز امیر جماعت اسلامی کے نزدیک گناہ ہے، ناجائز ہے، قابل سزا ہے، اور نائب امیر جماعت اسلامی کے نزدیک نہ حقیقی بدعت ہے، نہ ناجائز ہے، بلکہ محض اصطلاحی بدعت ہے: یعنی صرف معیاری سنت سے ہٹی ہوئی ہے

آپنے غور فرمایا کہ اس تضاد بیانی سے مقصد کیا ہے۔ مودودی صاحب نے اہل حدیث حضرات کو خوش رکھنے کے لئے اس چیز کو ناجائز اور قابل سزا فرمایا تھا تو امین احسن اصلاحی صاحب نے حنفیوں کو خوش رکھنے کے لئے اسے جائز قرار دے دیا تاکہ اہل حدیث بھی ان کے ساتھ لگے رہیں اور حنفی بھی۔

مسلمانوں میں بہت سی جماعتیں اور فرقے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن دین کے ساتھ جس قسم کا مذاق ان حضرات نے کر رکھا ہے اس کی مثال شاید ہی کہیں اور ملے۔

اسلامی معاشرت — از پرویز — ۱۹۲ صفحات — قیمت دو روپے۔

# قرآنی انقلاب کا لٹریچر

**معراج انسانیت** از:- پرویز
سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینہ میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش
مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے
متنوع گوشے نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات اعلیٰ ولایتی گلیز ڈ کاغذ مضبوط و حسین جلد مع گرد پوش۔ قیمت۔ بتیس روپے

**ابلیس و آدم** از:- پرویز
سلسلۂ معارف القرآن کی پہلی جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق، قصۂ آدم، جنات،
ملائکہ، وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۳۷۶ صفحات۔ قیمت آٹھ روپے

**جوئے نور** از:- پرویز
سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری کڑی جو حضرات انبیائے کرام کے تذکار جلیلہ پر مشتمل ہے جس میں
حضرت نوحؑ سے لیکر حضرت شعیبؑ تک تمام انبیائے کرام علیہم التحیۃ والسلام کا تذکرہ آ گیا ہے۔

سائز $\frac{22 \times 29}{8}$ ضخامت ۴۰۴ صفحات۔ قیمت مجلد گرد پوش چھ روپے

**انسان نے کیا سوچا؟** از:- پرویز
فکر انسانی کی آج تک کی تاریخ کہ اس نے اپنی مشکلات و مسائل کو حل کرنے کے
لئے آج تک کیا سوچا؟ محترم پرویز صاحب کی بلند پایہ تصنیف۔

سائز $\frac{22 \times 29}{8}$ ضخامت ۳۶۸ صفحات۔ قیمت مجلد مع گرد پوش۔ دس روپے

**سلیم کے نام** از:- پرویز
نوجوانوں کے دل میں اسلام کے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں، ان کا شگفتہ اور مدلل
جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۸ صفحات۔ قیمت چھ روپے

**فردوس گم گشتہ** از:- پرویز
ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا ہے۔ اردو لٹریچر
کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۱۶ صفحات، بڑا سائز۔ قیمت چھ روپے

**نظام ربوبیت** از:- پرویز
انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور، دور حاضرہ کی عظیم کتاب۔
بڑا سائز ضخامت ۴۰۰ صفحات۔ قسم اول مجلد چھ روپے، قسم دوم غیر مجلد چار روپے

**اسباب زوال امت** از:- پرویز
(دوسرا ایڈیشن) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے
اور اس کا علاج کیا؟ ضخامت ۱۷۲ صفحات　قیمت دو روپے

(محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار ہوگا)

ملنے کا پتہ　ناظم ادارہ طلوع اسلام ۳/۱۵۹- ایل (پی۔ای۔سی ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی نمبر ۲۹۔

محترم پرویز صاحب

کونشن کا ایک نمائندہ گروپ

صدر ۔
وھدری عبدالرحمن صاحب
زر ۔ محترم پرویز صاحب

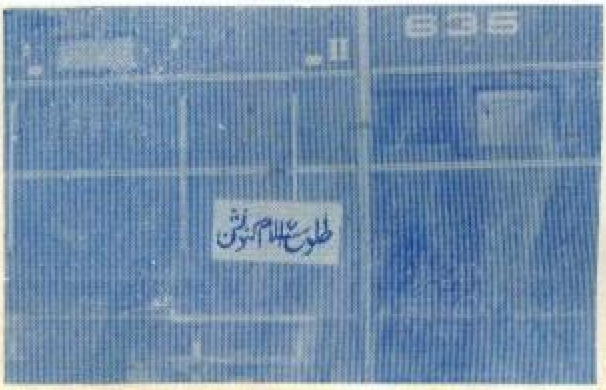


ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

پرویز صاحب اور رفقائے سفر

(۱) عزیز احمد قریشی صاحب
(راولپنڈی)
(۲) پرویز صاحب
(۳) افتخار صاحب (لاہور)

محترم
پرویز صاحب
بچیوں کے ساتھ

محترم
...خت جمال خان
صاحب تقریر
فرما رہے ہیں

رزق اور مش...
دونوں

کس
جذب و انہم...
سے تقریر ...
جارہی ...

محترم
پرویز صاحب
خطاب فرما رہے
ہیں

...صدر - چوهدری
...بدالرحمن صاحب
مقرر - عبدالرب
صاحب ناظم اداره
طلوع اسلام

بہترین سو...
فیکٹری کے تح...
لئے ہوئے

رزق کا سرچ...
(مطبخ)

خدام ملت کا گروہ

تکمیل کار کے بعد طوبیٰ لہم و حسن مآب

دیکھنا تقریر کی لذت

کھلے اجلاس کا عام منظر

پنڈال پر طائرانہ نگاہ

کام و دہن کی آزمائش ہے

## طب یونانی اینڈ ہومیوپیتھی الیکٹرو پیتھی کا

پرائیویٹ داخلہ شروع ہے

گھر بیٹھے تعلیم حاصل کر کے سندات لے کر مخلوق خدا کے خدمت گزار بن جاؤ۔ پراسپکٹس اور کے ٹکٹ پر ارسال ہوگا۔

### اتحاد میڈیکل کارپوریشن گورنمنٹ رجسٹرڈ

سب آفس گنگا پور اسٹیٹ ضلع لائل پور

ڈائرکٹر

## اے بی فوڈ انڈسٹریز

کراچی ۱۶

اے بی بسکٹ کی کوالٹی، نفاست اور تازگی کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ یہ بسکٹ، جدید ترین آٹومیٹک، ایرکنڈیشنگ، پلانٹ پر یورپین ماہرین کی زیر نگرانی تیار ہوتے ہیں

اس پلانٹ پر روزانہ آٹھ ٹن بسکٹ تیار کیے جا سکتے ہیں

یہ ایشیا بھر میں اپنی نوعیت کا واحد پلانٹ ہے۔

### اے بی فوڈ انڈسٹریز

منگھا پیر روڈ - کراچی ۱۶

## تاریخ الامت

(از علامہ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری)

تاریخ کی وہ کتاب جس کے لیے علامہ موصوف کا نام نامی ہی کافی ضمانت ہے۔ تقسیم سے پہلے ہندوستان کی بیشتر درس گاہوں میں بطور نصاب شامل تھی، لیکن کچھ عرصہ سے ناپید ہوگئی تھی۔ طلوع اسلام نے مؤلف کی اجازت سے دوبارہ چھاپا ہے

**جلد اول** - سیرت رسول اللہؐ کے تذکرہ جلیلہ پر مشتمل ہے۔ قیمت دو روپے

**جلد دوم** - خلافت راشدہ۔ یعنی حضرت صدیق اکبرؓ سے لے کر امام حسنؓ تک کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ قیمت۔ دو روپے آٹھ آنے

**جلد سوم** - خلافت بنی امیہ۔ یعنی امیر معاویہؓ سے لے کر مروان ثانی تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ قیمت دو روپے

**جلد چہارم** - خلافت عباسیہ۔ بنو عباس کے حالات تحریک دعوت کے بعد خلیفہ اول سفاح سے لے کر واثق باللہ کے عہد خلافت تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

**جلد پنجم** - ایضاً خلافت عباسیہ۔ عہد متوکل سے لے کر خلیفہ مستعصم کے عہد تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ قیمت۔ تین روپے

**جلد ششم** - مصر اور اس کی حکومتوں خصوصاً فاطمیین اور دیگر سلاطین مصر کے حالات پر مشتمل ہے۔ یہ جلد زیر طبع ہے اور ابھی پریس میں ہے

قیمت اندازاً دو روپے آٹھ آنے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام کراچی

چھوٹا مسواک ٹوتھ برش
Hashmi
دانتوں کی صفائی بچوں کو صحت مند اور توانا رکھتی ہے
چھوٹے بچوں کے لئے چھوٹا مسواک
نایاب تحفہ ہے
جو نرم و نازک مسوڑوں کے لئے بے ضرر ہے اور
جس کا استعمال بچوں کیلئے مفید ترین مشغلہ ہے
چھوٹا مسواک ہر چھوٹی اور بڑی دوکان پر ملتا ہے